شہناز مزمل کے شعری مجموعے ''موم کے سائبان'' کا فکری اور فنی جائزہ

نام طالبہ

ناہید ارشد

شعبۂ اُردو، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور۔ پاکستان

۲۰۲۱ء

شہناز مزمل کے شعری مجموعے ''موم کے سائبان'' کا فکری اور فنی جائزہ

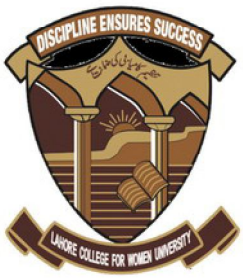

نام طالبہ

ناہید ارشد

لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور۔ پاکستان

۲۰۲۱ء

شہناز مزمل کے شعری مجموعے ''موم کے سائبان'' کا فکری اور فنی جائزہ

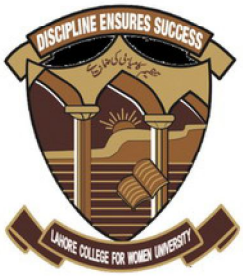

یہ مقالہ لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور میں سند کے حصول کے لیے پیش کیا گیا ہے۔

مقالہ برائے بی ایس اُردو

نام طالبہ

ناہید ارشد

رول نمبر/ رجسٹریشن نمبر

17/LCWU-2820/1725137016

نگران

مس روبینہ شاہین

لیکچرر، شعبۂ اُردو

لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور۔ پاکستان

۲۰۲۱ء

اظہارِ تشکر

میں اُس ربِّ ذوالجلال کا شکر یہ ادا کرتی ہوں جس نے قلم کے ذریعے انسان کو علم سکھایا اور وہ سب کچھ سکھایا جو وہ نا جانتا تھا۔ اُس رب نے انسان کو تنقیدی شعور سے نوازا۔ تمام تعریفیں اسی ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے ہیں۔ جس نے قلم کے ذریعے انسان کو تسخیرِ کائنات کا حوصلہ بخشا، اللہ تعالیٰ کی بابرکت ذات کے بعد میں آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس کا شکر یہ ادا کرتی ہوں جنھیں اللہ رب العزت نے جہالت کو دور کرنے کے لیے امت کا معلم بنا کر بھیجا، جنھوں نے اندھیروں کو علم کی روشنی سے منور کیا۔

اردو ادب سے میری گہری وابستگی رہی ہے۔ اردو ادب کو جب میں نے ایک مضمون کے لحاظ سے چنا تو مجھے کسی نے بھی بھرپور طریقے سے نہیں سراہا۔ میں نے جب بی۔ ایس میں داخلہ لیا تو آغاز میں مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے یہ سب سے کھٹن راہ ہے۔ اُس وقت میں نے سوچا کہ زندگی میں کوئی بھی راستہ آسان نہیں ہوتا لیکن جب تک آپ پہلا قدم نہیں اٹھائیں گے راستے نہیں کھلیں گے۔ لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی نے میری شخصیت کو نکھارنے میں اہم کردار ادا کیا۔ مجھے اس ادارے سے وابستہ ہو کر ایسا لگا کہ جیسے زندگی کا ایک نیا باب شروع ہو گیا ہو۔

اردو ادب سے وابستہ ہونے کے بعد مجھے آہستہ آہستہ اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ یہ ایک بے کراں سمندر ہے جس کی گہرائی تک پہنچنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔

بی ایس اردو کے چار سالہ ڈگری پروگرام کے آخری سمیسٹر میں ہمیں کسی موضوع پر تحقیقی مقالہ تحریر کرنے کا موقع ملتا ہے۔ تحقق حقائق کی جستجو اور بازیافت کا عمل ہے۔ شاعری سے میری خاص دلچسپی رہی ہے جس کے باعث میرے مقالے کا عنوان ڈاکٹر شہناز مزمل کے شعری مجموعے ''موم کے سائبان'' کا فنی و فکری جائزہ ہے۔ شہناز مزمل کا یہ شعری مجموعہ ''موم کے سائبان'' غزلوں اور نظموں پر مشتمل کتاب ہے۔

میرا یہ مقالہ تین ابواب پر مشتمل ہے۔

پہلا باب ''شہناز مزمل کی ''سوانح اور شخصیت'' ہے۔

باب دوم ''موم کے سائبان'' کا موضوعاتی جائزہ ہے جس میں تصوف اور معاشرتی مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔

باب سوم ''موم کے سائبان'' کا فنی جائزہ ہے۔

اس مقالے کی تکمیل میں میرے والدین کی بے شمار دعائیں شامل ہیں۔انھوں نے میری تعلیمی سرگرمیوں میں قدم قدم پر میری حوصلہ افزائی کی۔ میں اپنے والد محترم محمد ارشد کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتی ہوں۔جن کی رہنمائی، حوصلہ افزائی اور بھروسے کی بنا پر آج اس مقام تک پہنچی ہوں۔انھوں نے ہی میرے لیے ہر چیز کے حصول کو ممکن بنایا۔

میں اپنی نگران مس روبینہ شاہین کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنھوں نے میری نادانیوں اور کم فہمی کو نظر انداز کرتے ہوئے میری حوصلہ افزائی کی۔میرے لیے اُن کے بغیر اس مقالے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا ناممکن تھا۔اللہ تعالیٰ انھیں دنیا اور آخرت کی بھلائیاں عطا فرمائے۔میں اپنی سہیلی شمائلہ کنول اور دعا مصطفیٰ اور اریبہ عباس کی نہایت شکر گزار ہوں جس کی مخلص مزاجی اور مثبت رویے نے اس مقالے کی تکمیل میں میرا بھرپور ساتھ دیا۔

آخر میں لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی کی شعبہ اردو سے تعلق رکھنے والی اساتذہ خاص طور پر ڈاکٹر شبنم نیاز اور ڈاکٹر نائلہ انجم کی نہایت شکر گزار ہوں۔خصوصاً ڈاکٹر نائلہ انجم کی نہایت شکر گزار ہوں جن کی بدولت مجھے پہلی بار شعر و شاعری میں اپنے جذبات کے اظہار کا موقع ملا تھا اور میں نے ایک آزاد نظم ''ساحلِ سمندر کے کنارے'' کے موضوع سے لکھی جس پر انھوں نے میری حوصلہ افزائی کی اور مزید لکھنے کی تلقین کی۔

آؤ میرے ہم نوا چلیں کسی ساحِل سمندر کے کنارے

کہ جہاں میں ہوں تم ہو اور ہوں خیالات ہمارے

یہ میری پہلی کاوش ہے اس لیے اس میں بہت سی خامیاں رہ گئی ہوں گی۔اسے میری پہلی کاوش سمجھ کر نظر انداز کیا جائے۔

مقالہ نگار

ناہید ارشد

بی۔ایس اردو

باب اوّل

شہناز مزمل۔ شخصیت و فن

شہناز مزمل۔شخصیت وفن

ڈاکٹر شہناز مزمل کا شمار دنیائے شعروادب کا معتبر نام ہے دھیمے لہجے کی یہ شاعرہ شعرونثری کتب کے حوالے سے اردو ادب میں اضافہ کر چکی ہے

ایک سے زائد زبانوں پر عبور رکھنے والی یہ شاعرہ آج کل لاہور سے شائع ہونے والے ایک ادبی ماہ نامے (ادب سرائے) کی سرپرست اعلیٰ ایگزیکٹوایڈیٹراورادبی تنظیم (ادب سرائے) کی چیئر پرسن ہیں۔

شہناز مزمل صاحبہ، چیئر پرسن ادب سرائے انٹرنیشنل جنہیں بہت سے اعزازی ناموں سے بھی پہچانا جاتا ہےاوروہ بہت سے اداروں کی اعزازی چیئر پرسن بھی ہیں۔شہناز مزمل کون ہے۔اس حوالے سے وہ خود کہتی ہے ایک انٹرویو میں

شہناز مزمل ایک طالب علم ہے جیسے سیکھنےاور تحقیق کرنے کا شوق برگ آوارہ کی طرح اڑائے لئے پھرتا ہےاور تشنگی علم ہے کہ بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔

شاعری وہ بارانِ رحمت ہے جو بنجر زمین میں احساسات و جذبات کے گلوں کی افزائش کرنے کی بساط رکھتی ہے۔ شاعری احساسات کی ترجمان ہےاور شاعران محسوسات کولفظوں کے پیمانوں میں بھر کر ہماری روح میں اتار دیتے ہیں۔

ہر انسان کی اپنی ایک شخصیت ہوتی ہے جو فرد کو دوسرے فرد سے ممتاز کرتی ہے۔کچھ انسان کی شخصیت پر ماحول کا اور کچھ نفسیات کا اثر ہوتا ہے۔لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ انسان مختلف عناصر کا مجموعہ ہے۔

علامہ اقبال اپنی بیاض Stray Reflection میں ایک جگہ لکھتے ہیں

> ''انسان اصلاً ایک توانائی ایک قوت یا قوتوں کا ایسا مجموعہ ہے جس کے عناصر کی ترتیب میں اختلاف کی گنجائش ہے۔ان قوتوں کی ایک مخصوص ترتیب کا نام شخصیت ہے'' [۱]

خاندانی پس منظر:

شہناز مزمل کے والد مزمل حسین قادری کا تعلق بدایوں (انڈیا) سے تھا۔ان کا تعلق سید خاندان سے ہیں ڈاکٹر شہباز کے

والد کا تعلق نگر یو پی (انڈیا) سے تھا۔

ان کے والد مزمل حسین قادری نے اکنامکس کے ساتھ گریجوایشن کیا اور ٹیکسٹائل ملز سے وابستہ ہو گئے۔

ان کے دادا مرحوم عطا حسین اور نانا تصدق حسین دونوں نے ٹیکنیکل انجینئرنگ کے شعبے میں تعلیم حاصل کی۔ دونوں سول انجینئر تھے شہناز مزمل صاحبہ لاہور کی ایک معروف ادبی شخصیت ہیں۔ آپ کا تعلق ایک ادبی گھرانے سے ہے۔ شہناز مزمل کے پانچ بھائی ہیں۔

(۱) اختر نواز قادری

(۲) اعظم پرویز قادری

(۳) طارق مزمل قادری

(۴) جاوید مزمل قادری

شہناز مزمل کے والد سول انجینئر تھے اور قیام پاکستان کے بعد ان کے والد پاکستان آ گئے اور گنیشن ملز میں چند ماہ ملازمت کے بعد نور ٹیکسٹائل ملز فیصل آباد میں امپورٹ ایکسپورٹ منیجر کی حیثیت سے ملازم ہو گئے۔

شہناز مزمل کے والد مزمل حسین کو بھی ادب سے گہرا لگاؤ تھا۔ نظم اور نثر دونوں میں لکھتے تھے۔ شاعری کا آغاز تو بہت پہلے کر چکے تھے بعد میں کچھ افسانے بھی لکھے اور ''حشر'' تخلص کرتے تھے۔ وہ مشاعروں میں بھی شرکت کرے اور گھر میں اکثر ادبی محافل منعقد کرواتے تھے۔ بعد ازاں گھریلو اور دفتری مصروفیات کی بنا پر لکھنا کم کر دیا۔

شہناز مزمل اور ان کے بڑے بھائی مقدس قادری نے جب ہوش سنبھالا تو انہیں احساس ہوا کہ ان کے والد کا قیمتی اثاثہ شاعری کی صورت میں جو ہے ضائع ہو رہا ہے۔ تاہم دونوں بہن بھائیوں نے مل کر اسے جمع کیا اور ان کی زندگی میں ہی ''دیوان حشر'' کے نام سے شائع کروایا۔

پیدائش:

شہناز مزمل صاحبہ ۱۰ اپریل ۱۹۴۸ء کو فیصل آباد میں پیدا ہوئیں۔ خوبصورت شخصیت کی مالک شہناز مزمل صاحبہ چار

بھائیوں کی اکلوتی بہن اور ماں باپ کی اکلوتی بیٹی ہونے کے ناطے اپنے خاندان میں سب سے لاڈلی تھیں۔

تعلیم:

شہناز مزمل نے ۱۹۶۳ء میں کوہ نور گرلز ہائی سکول سے میٹرک کا امتحان پاس، جو عمر میٹرک کے حساب سے کافی کم تھی اور اس وقت میٹرک ۱۵ سال سے کم عمر بچہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے ان کی زیادہ عمر رکھوا کر داخلہ بھیجا گیا تھا۔ اس لئے ان کی میٹرک کی تاریخ ۱۹۶۳ء ہے جبکہ سرٹیفکیٹ میں ۱۹۴۸ء تاریخ درج ہے۔

شہناز مزمل نے کوہ نور گرلز ہائی سکول فیصل آباد سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اور پھر ۱۹۶۵ء میں ''کلیاتِ البنات'' لاہور سے ایف اے کا امتحان اچھے نمبروں سے پاس کیا۔

انہوں نے ۱۹۸۰ء میں اردو ادب، اسلامیات اختیاری اور فارسی میں فرسٹ ڈویژن میں بی اے کا امتحان پاس کرنے کے فوری بعد پنجاب یونیورسٹی لاہور کے شعبہ (لائبریری اینڈ انفارمیشن سائنس) میں داخلہ لے لیا اور (۱۹۸۴ء) میں ایم اے کا امتحان پاس کیا اور اس کے بعد پبلک سروسز کا امتحان پاس کیا۔

شہناز مزمل مزمل صاحبہ ذہین اور پرعزم خاتون ہیں۔ انہوں نے بچوں اور مشترکہ خاندان میں رہ کر تعلیم مکمل کی۔ اور یہ سب کچھ آپ کے شوہر کے تعاون سے ممکن ہوا۔

انہوں نے ۱۹۸۹ء میں فرانسیسی زبان پنجاب یونیورسٹی سے سیکھی۔ ۱۹۹۱ء میں شہناز مزمل نے پاکستان میڈیکل کالج لاہور سے ہومیو پیتھک میں ڈاکٹری کا ڈپلومہ ڈی، ایچ، ایم، ایس کیا۔

شہناز مزمل ایک بہت ہی خوش قسمت عورت ہیں کہ انہیں سلطان صاحب کا ساتھ نصیب ہوا جنہوں نے ان کو پرسکون ماحول عطا کیا اور شہناز مزمل کی صلاحیتوں کو نکھارنے میں ان کا بھرپور ساتھ دیا۔ وہ آج جو کچھ بھی ہیں اپنے شوہر سلطان صاحب کی بدولت ہیں۔ انہوں نے کتابیں لکھیں شاعری کی اور ملازمت بھی کی یہ سب وہ اپنے شوہر کے تعاون سے کرتی رہیں۔

نجمہ یاسمین یوسف کتاب (عکسِ خیال) میں اپنے مضمون ''شہناز مزمل ایک ہمہ جہت شخصیت'' میں لکھتی ہیں۔

> ''خوش قسمتی سے سلطان صاحب کے نصیب میں یہ جوہر کم یاب آیا چونکہ وہ بھی بلا کے جوہر شناس ہیں، چنانچہ انہوں نے اس میں چھپی چمک دمک دریافت کر لی۔ اور وقت کی نوک قلم سے تراش

خراش کی تمام صبر آزما منزلوں سے گزر کر اسے گوہرِ نایاب بنا دیا''[۲]

کم عمری میں شادی کی وجہ سے ان کا تعلیمی سفر میٹرک کے بعد رک گیا تھا مگر بعد میں اللہ کے فضل سے یہ سلسلہ دوبارہ شروع کر لیا جو آج تک جاری ہے۔

شادی:

شہناز مزمل پانچ بھائیوں کی اکلوتی بہن ہیں۔اس لئے والدین اور بھائیوں کو اپنی اکلوتی بہن کو دلہن کے روپ میں دیکھنے کا بے حد شوق تھا۔لہٰذا انہوں نے اپنا شوق اور فرض پورا کرنے کے لئے شہناز مزمل مزمل کی شادی یکم اکتوبر (۱۹۶۸) کو سلطان احمد سے کر دی۔سلطان احمد سے شادی کے بعد شہناز مزمل فیصل آباد سے ملتان آ گئیں۔

سلطان احمد شہناز مزمل کے خاندان سے نہ تھے سلطان احمد نے بی اے، اور ایل ایل بی کیا ہوا تھا۔سلطان احمد ملتان کے ''نیو کراؤن'' سینما کے مالک تھے۔اس کے علاوہ کوئلے اور جپسم کی کانیں تھیں۔وہ شادی کے بعد کچھ عرصہ ملتان میں رہیں پھر آپ کے شوہر کاروبار کے سلسلے میں انہیں لے کر ''لاہور'' منتقل ہو گئے۔یہاں پھر پر ان کے شوہر کا ماڈل ٹاؤن میں ذاتی گھر تھا ۔۱۹۹۷ء کا سال شہناز مزمل کے لئے بہت تکلیف دے ثابت ہوا۔کیونکہ اسی سال ان کے شریک حیات حرکتِ قلب بند ہونے کے باعث اس فانی دنیا سے کوچ کر گئے۔

اولاد:

شہباز مزمل صاحبہ کی دو بیٹیاں ہیں۔آپ کی بڑی بیٹی کا نام نعمانہ فاروق ہے۔اور چھوٹی بیٹی کا نام میمونہ سلطان ہے۔ لاہور آنے کے کچھ عرصے بعد ۱۹۷۱ء میں ان کے ہاں پہلی بیٹی پیدا ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ماں جیسے مقدس رشتے سے نوازا، جب بڑی بیٹی ۵ برس کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک بار پھر اپنی رحمت سے انہیں نوازا اور ان کے ہاں دوسری بچی کی پیدائش ہوئی۔ دو بچیوں کی پیدائش سے شہناز مزمل اور بھی مصروف ہو گئیں۔

گھر کی ذمہ داری اور ساتھ بچیوں کی پرورش لیکن اس کے باوجود شہناز مزمل ایک سلیقہ مند خاتونِ خانہ اور محبت کرنے والی ماں ثابت ہوئیں۔لیکن انہوں نے سب امور اور اپنی ذمہ داریوں کو بر احسن وخوبی پورا کیا۔

بقول شہناز مزمل:

''جس طرح ایک مرد کی کامیابی یا ناکامی زندگی کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔اس طرح

عورت کی کامیابی یا ناکام زندگی کے پیچھے مرد کی حوصلہ افزائی یا حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میرے شوہر ایک باذوق اور اعلیٰ ظرف کے انسان ہیں۔ اگر ان کی حوصلہ افزائی نہ ہوئی تو میں ان لاکھوں عورتوں میں سے ایک ہوتی جن کی تمام صلاحتیں باورچی خانے میں جل کر راکھ ہو جاتی ہیں۔''[۳]

اپنی دو بچیوں کی تربیت کی بدولت آپ ایک قابل فخر ماں کہلاتی ہیں۔ آپ کو اپنی دونوں بچیوں سے بے پناہ محبت ہے۔ آپ کی دونوں بیٹیوں میں ادبی ذوق موجود ہے۔ نعمانہ فاروق اپنے ادبی ذوق کا اظہار پینٹنگ کے ذریعے کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اخبار میں بچوں کا صفحہ بھی ایڈیٹ کرتی ہیں اور ان کی چھوٹی بیٹی میمونہ سلطان انگریزی شاعری کرتی ہیں۔ ان میں بھی ادبی ذوق موجود ہے۔

ملازمت:

شہناز مزمل اپنے کیئریئر کا آغاز اسلامیہ کالج کوپر روڈ لاہور سے بطور لائبریرین کیا۔ لیکن اس ملازمت سے مطمئن نہ ہونے کی وجہ سے یہ ملازمت چھوڑ دی۔ اور چند ماہ بعد ہی ماڈل ٹاؤن پبلک لائبریری کا آغاز ہوا اور شہناز مزمل کا بطور چیف لائبریرین تقرر ہوا۔ اس کے بعد آپ کو آرکائیوز لائبریری ڈائریکٹر تعینات کر دیا گیا۔

شہناز مزمل ملازمت گھر اور تعلیم کے ساتھ ساتھ بچیوں کو ہوم ورک بھی کراتیں اور یہ ان کی محنت اور توجہ کا نتیجہ تھا کہ اس وقت ان کی بڑی بیٹی نعمانہ فاروق نے ایم اے اکنامکس کر لیا ہے اور چھوٹی بیٹی میمونہ سلطان ڈاکٹر ہیں۔ اور شہناز مزمل اپنی دونوں بیٹیوں کی بروقت شادی کر کے اپنی ذمہ داری سے سبک دوش ہونے پر مطمئن ہیں شہناز مزمل کو بچپن سے ہی ڈاکٹر بننے کا بے حد شوق تھا۔ بچپن میں اکثر اپنے نام کے ساتھ ڈاکٹر لکھا کرتی تھیں۔ لہٰذا انہوں نے اپنے شوق کی تکمیل کے لئے لاہور ہومیو پیتھک کالج سے ڈی۔ ایچ۔ ایم۔ ایس کی ڈگری ۱۹۹۱ء میں حاصل کی اور شہناز مزمل بالآخر ڈاکٹر بن گئیں۔

شہناز مزمل ایک ایسی شخصیت ہیں جنھیں اپنے پڑھنے اور کام کرنے میں بہت مزہ آتا ہے۔ اور وہ ہر وقت اپنے کام کرنے میں مصروف رہتی ہیں اور ہر وقت چہرے ہر ایک مسکراہٹ سی رہتی ہے۔ وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھنے والوں میں سے نہیں اپنے کام سے بے حد لگاؤ رکھتی ہے۔

ادبی سفر:

شہناز مزمل کو شروع ہی سے ادب سے بے حد لگاؤ تھا۔ گھر کا ماحول بھی ادبی تھا۔ والد شاعر تھے اور گھر میں بھی ادبی محافل منعقد ہوتی رہتی تھیں۔ جس سے اکثر اوقات شاعروں اور ادیبوں کی صحبت میں بیٹھنے کا موقع ملتا رہتا تھا۔ یوں ادب سے دلچسپی اور بھی بڑھ گئی اور خود بھی بچپن میں شاعری کرنے لگیں۔ جب چوتھی کلاس میں تھی سکول کے پرنسپل کے ریٹائر ہونے کے موقع پر ایک نظم لکھی اور اپنے جذبات واحساسات کا اظہار کیا جس نے ان کے اندر چھپی ہوئی شاعرہ کو باہر نکالا۔

اپنے جذبات کا اظہار یوں کیا:

"A Farewell
we see you off
with grief and sorrow
just lite a done!
other will follow
but your deeds in gue,
will thrill in heart
may God bless you
Till Existance Last" 4

ان کی اس کوشش پر ان کے اساتذہ اور والدین نے بھرپور حوصلہ افزائی کی۔ بچپن سے ہی شعر کہنے کا سلسلہ جاری تھا۔ آپ سے پہلے آپ کے والد محترم حشر بدایونی شاعر اور افسانہ نگار تھے اور ادبی دنیا انڈیا کے ایڈیٹر بھی تھے۔

شہناز مزمل کی دادی اماں پھوپھی جان اور امی جان کو بھی شاعری سے شغف تھا گھر میں بھی ادبی تقریبات کا انعقاد ہوتا تھا۔ ان کا اوڑھنا بچھونا کاغذ قلم تھا اور گھر کا ماحول بھی ادبی تھا۔

لیکن ۱۹۸۷ء میں شہناز مزمل کے والد اس دار فانی سے رخصت ہو گئے تو شاعری کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ اور پھر یوں آگے چلتے چلتے وہ ایک کامیاب شاعرہ بطور غزل گو اور نظم گو کے طور پر آج ہمارے سامنے ہیں۔

آج شہناز مزمل کا ادبی سفر اپنے منفرد شعری اسلوب کے ساتھ جاری ہے۔ جس پر کسی کی بھی چھاپ نہیں۔ ان کے ہاں موضوعات خود ان کے ذہن اور سوچ میں پیدا ہوتے ہیں۔ جو وہ استعمال کرتیں ہیں۔ شہناز مزمل نے کلاسیکل شاعری بھی کی اور

جدید شاعری بھی کی۔ کیونکہ ایک جگہ انہوں نے کہا کہ دونوں کا اپنا رنگ اور دونوں کی آفادیت اپنی اپنی جگہ پر ہیں۔ بس شرط یہ ہے کہ لکھنے والا قابل شاعر ہو۔

شہناز مزمل مزمل پہلی پاکستان کی شاعرہ ہیں جنہوں نے قرآن مجید کا منظوم مفہوم کے ساتھ ترجمہ کیا۔ جو ''نورِ فرقان'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔

شہناز مزمل نے بہت سی اصناف میں لکھا ہے اور ایک سوال کے جواب میں بھی کہتی ہے کہ مجھے تو غزل اور نظم دونوں لکھنے میں مزہ آتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کبھی زیادہ رجحان غزل کی طرف ہو جاتا ہے اور کبھی زیادہ نظم لکھی جاتی ہے۔

اپنے ادبی سفر کے متعلق شہناز مزمل کہتی ہے:

> ''میرے والد مرحوم حشر القادری صاحب خود بہت بڑے شاعر تھے۔ ان کا مجھے پر بہت اثر تھا۔ لیکن ان کی وفات کے بعد تو جیسے شاعری کا چشمہ پھوٹ پڑا ہو۔ میں خود حیران تھی کہ کس طرح شعر پر شعر لوحِ دل پر رقم ہوتے جا رہے ہیں۔ شاید والد صاحب کی جدائی دل پر چوٹ بن کر لگی تھی۔''[۵]

شہناز مزمل صاحبہ نے تعلیمی ڈگریوں اور ملازمت سے زیادہ اپنے ادبی سفر کو حاصل زندگی سمجھا ہے۔ ان کا کہنا ہے:

> ''میرے گریڈ مجھے زندہ نہیں رکھے گئے بلکہ میرے لفظ مجھے زندہ رکھیں گے اس لئے میں چاہتی تھی کہ میں زیادہ سے زیادہ لکھوں تاکہ میں اپنی کتابوں کے حوالے سے تادیر زندہ رہ سکوں''[۶]

شہناز مزمل مزمل مشاعروں میں بھی کثرت سے شرکت کیا کرتی تھیں۔ ان تمام ادبی سرگرمیوں میں انہیں شوہر کا بھرپور تعاون حاصل رہا۔ اپنی ادبی منتظم ''ادب سرائے'' کے زیر اہتمام فیض گھر واقع ماڈل ٹاؤن لاہور میں آجکل ماہانہ ادبی مشاعرہ منعقد کرتی ہیں۔ شہناز مزمل کو انگلینڈ اور سعودی عرب کے شہر ریاض میں بھی مشاعروں میں حصہ لینے کا موقع ملا۔ اس کے علاوہ ملکی سطح پر بھی ان گنت مشاعروں میں شرکت کر چکی ہیں اہم مشاعرے جن میں شہناز مزمل نے شرکت کی اور فن کا اظہار کیا یہ ہیں۔

۱) اب سرائے کی محفل مشاعرہ ہوشیار پوری طفیل کی یاد میں

۲) فیض گھر میں ناصر بشیر کی صدارت میں

۳) سرائیکی مشاعرے میں شرکت (۴ فروری، ۱۹۸۹ء)

۴) آل پاکستان خواتین (مارچ ۱۹۹۳ء)

۵) مشاعرہ انٹرنیشنل ویمن کلب لاہور میں شرکت،

۶) پاکستان ٹیلی ویژن کے زیر اہتمام پہلا خواتین سرائیکی مشاعرہ منعقد ہوا۔ جس میں بطور شاعرہ شرکت (جولائی، ۱۹۹۳ء) میں شرکت کی۔

شہناز مزمل نے تین اہم زبانوں اردو، سرائیکی اور پنجابی زبان میں شاعری کی ہے۔ انہوں نے غزل جیسی نپی تلی ہیئت میں بھی شاعری کی جبکہ ترکیب بسند نظمیں اور آزاد نظمیں بھی لکھیں۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے بتایا کہ مجھے غزل کے مقابلے میں نظم سے زیادہ لگاؤ ہے یہی وجہ سے کہ غزل کے مقابلے میں انہوں نے نظم زیادہ کہی ہے۔ لیکن شہناز مزمل کو ذاتی طور پر تصوف اور عشق حقیقی پر مبنی شاعری پسند ہے۔

شہناز مزمل نے جہاں اردو شاعری میں اپنی تخلیقات پیش کیں وہاں وہ نثر کے میدان میں بھی اپنا مقام بنانے کے لئے کوشاں ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے ''چوڑی والی''، ایک افسانہ بھی لکھا ہے۔ جس میں انہوں نے ایک عورت کی اپنے شوہر سے وفاداری اور عورت کی مظلومیت کو پیش کیا۔ اس کے ساتھ ہی ہمارے ہاں نام نہاد مسلم معاشرے میں عورت کو جو عدم تحفظ کا شکار ہے اور مرد مصیبت کے وقت کس کس طرح اپنی مسلمان بہنوں کی مدد کرتے ہیں۔ اجلا کون؟ میلا کون؟ کالم میں انہوں نے مردوں کے اس منفی کردار پر طنز کیا ہے۔

اس کے علاوہ بچوں کی نماز جس میں انہوں نے نماز کی فضیلت و اہمیت پر روشنی ڈالی ہے اور بچوں کے والدین کو نماز کی طرف بچوں کو راغب کرنے کے لئے صحابہ کرام کی زندگی کے واقعات کو پیش کیا گیا ہے۔

کتابیں

نمبر شمار	نام کتاب	نوعیت	سال اشاعت
۱	پیامِ نو	شاعری	۱۹۸۹ء
۲	کتابیات اقبال	اشاریہ	۱۹۸۹ء

۳	کتابیات مقالہ جات	مقالات	۱۹۸۹ء
۴	جذب وحروف	شاعری	۱۹۹۰ء
۵	جرات اظہار	شاعری	۱۹۹۰ء
۶	لائبریریوں کا شہر لاہور	گائیڈ بک	۱۹۹۰ء
۷	فروغ مطالعہ کے بنیادی کردار	مضامین	۱۹۹۰ء
۸	نماز بچوں کے لئے	نماز کی کتاب	۱۹۹۰ء
۹	عکسِ دیوار پر تصویر	شاعری	۱۹۹۱ء
۱۰	موم کے سائبان	شاعری	۱۹۹۱ء
۱۱	Ten Poets of Today	انگریزی ترجمہ	۱۹۹۴ء
۱۲	عکسِ خیال	مرتبہ نعمانہ فاروق	۱۹۹۵ء
۱۳	میرے خواب ادھورے ہیں	شاعری	۱۹۹۶ء
۱۴	جادہ عرفان	شاعری	۱۹۹۷ء
۱۵	عشق تماشا	شاعری	۲۰۰۲ء
۱۶	قرضِ وفا	شاعری	۲۰۰۲ء
۱۷	عشق دا دیوا	پنجابی شاعری	۲۰۰۲ء
۱۸	شہناز مزمل کے منتخب اشعار	شاعری	۲۰۰۵ء
۱۹	بعد تیرے	شاعری	۲۰۰۷ء
۲۰	دوستی کا سفر	سفرنامہ	۲۰۰۷ء

۲۱	نورِ کل	نعتیہ مجموعہ	۲۰۱۱ء
۲۲	انتہائے عشق	کلیاتِ غزل	۲۰۱۹ء
۲۳	نورِ فرقان	قرآن پاک کا منظوم ترجمہ	۲۰۲۰ء

مقالہ جات

شہناز مزمل پر بہت سے لوگوں نے تحقیقی کام کیا ہے کیونکہ وہ شاعری میں ایک نامور نام ہیں۔اور انہوں نے ادب میں بہت زیادہ کام کیا ہے۔لوگوں نے بھی ان پر پھر کافی زیادہ کام کیا ہے اور مقالہ جات لکھے ہیں۔جو درج ذیل

(۱) شہناز مزمل شخصیت اور فن

(مقالہ ایم اے) صدف رانی بہاولپور یونیورسٹی ۲۰۰۲ء

(۲) شہناز مزمل کی اردو غزل اور نظم کا فکری و فنی مطالعہ (مقالہ ایم فل) (۲۰۱۴)

حنا نعمان منہاج یونیورسٹی لاہور

(۳) شہناز مزمل کی مذہبی شاعری (مقالہ ایم اے)

مقدس ستار، اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور۔۲۰۱۵ء

(۴) شہناز مزمل کے سفرنامے ''دوستی کا سفر'' کا تجزیاتی مطالعہ ثناخاور گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج سمن آباد (۲۰۱۵)

شہناز مزمل مزمل کی پچاس سے زیادہ کتابیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں اور وہ ہزاروں لکھنے اور پڑھنے والوں کی روحِ رواں بھی ہیں۔ان کے کام کو دیکھ کر لگتا ہے کہ انہوں نے اپنے کام اور اپنے عہدے کے ساتھ خوب وفا کی ہے۔اس کے علاوہ شہناز مزملز ''آج کی بات'' کے عنوان سے روز لیکچر بھیجتی ہیں جو ان کی وفاؤں کا ایک سلسلہ ہے جسے وہ گزشتہ کئی برسوں سے جاری رکھے ہوئے ہیں اور اس سلسلے کے ذریعے وہ اپنے بے شمار سننے والوں تک روزانہ کی بنیاد پر اپنی آواز میں اپنا پیغام بھیجتی رہتی ہیں۔آج کی بات کے حوالے سے ان کے پیغامات کے ایک بڑے حصے کو کتابی شکل میں محفوظ کیا جا چکا ہے اور باقی حصوں

پر بھی کام جاری ہے۔

اس کے علاوہ آج کل شہناز مزمل ''سچی بات'' کے عنوان سے روزانہ اپنے چاہنے اور پڑھنے والوں کی تحریر بھیجتی ہیں۔

جب کوئی شخص اپنے کام سے وفا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس پر اپنے فضل و کرم کی بارش بڑھا دیتا ہے۔شہناز مزمل کی ذات پر بھی اللہ کا خاص کرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں محمدؐ کی محبت کو اس حد تک بڑھا دیا کہ ان کے کئی نعتیہ مجموعے بھی مکمل ہو گئے ہیں اور ان کی نعتوں کو باقاعدہ ٹی وی، ریڈیو، اور یوٹیوب چینلز پر بھی نشر کیا جانے لگا۔

نعتوں کے ساتھ ساتھ انہوں نے حمدِ باری تعالیٰ پر بھی کافی کام کیا ہے۔

''نورِ فرقان منظوم مفہوم'' ان کی ایک ایسی تخلیق ہے جو اس بات کی گواہ ہے کہ انہیں اپنے رب سے کس قدر محبت ہے۔ اپنی اس تخلیق کو انہوں نے بارہ سالوں کی ان تھک محنت سے مکمل کیا ہے۔جس میں انہوں نے قرآن مجید کے منظوم مفہوم کو اپنی شاعری کے انداز میں قلم بند کرنے کی کوشش کی ہے۔

شہناز مزمل کو اس منفرد کام پر بھی ہر سطح پر بھرپور پذیرائی ملی ہے اور اس کام کو نہ صرف تعلیمی اداروں میں سراہا گیا ہے۔ بلکہ اس پر باقاعدہ تحقیقی کام بھی ہوا ہے۔انھوں نے جو محبت اپنے قلم کے ذریعے اپنے لکھنے اور پڑھنے والوں کو بھیجی ہے۔یا پھر جس محبت کا اظہار انہوں نے اپنے قلم کے ذریعے اپنے رسولؐ اور اپنے رب سے کیا ہے شاید اسی کو وسیلہ بنا کر نورِ فرقان کو ان کے دل پر اتارا گیا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کا فضل ان پر جاری ہے۔بے شک اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر تو کچھ بھی ممکن نہیں ہے۔

شاعری:

شہناز مزمل مزمل نے سب سے پہلے شاعری کا آغاز تو چوتھی جماعت میں ہی کر لیا تھا۔بعد میں انہوں نے شاعری کی مختلف ہیئتوں میں لکھا جن میں حمد، نعت، منقبت، نوحہ، رباعیات، قطعات، غزل، پابند نظم، نظمِ معریٰ، آزاد نظم، اور ہائیکو وغیرہ ہیں۔

اب تو شہناز مزمل کو شاعری سے اس قدر لگاؤ ہو گیا ہے کہ اس کی زندہ مثال ان کا قرآن مجید کا منظوم مفہوم (نورِ فرقان) ہے جس کو انہوں نے 9 سال کی انتھک محنت سے لکھا ہے۔

شہناز مزمل نے کلاسیکی شاعری بھی کی ہے۔اور جدید شاعری بھی کی ہے ایک سوال کے جواب میں لکھتی ہے کہ کلاسیکی

شاعری اور جدید شاعری دونوں کا اپنا اپنا مزہ اور رنگ ہیں دونوں کی آفادیت اپنی جگہ پر ہے بس لکھنے والا قابلِ شاعر ہو۔شہناز مزمل کہتی ہے مجھے تو غزل اور نظم دونوں لکھنے میں مزہ آتا ہے یہ الگ بات ہے کبھی زیادہ رجحان غزل کی طرف ہو جاتا ہے اور کبھی نظم زیادہ لکھی جاتی ہے۔شہناز مزمل مزمل نے بہت سے ملکی اور غیر ملکی مشاعروں میں شرکت کی ہے اور ان کو ملکی اور غیر ملکی دونوں سطوں پر پذیرائی ملی ہے۔

شاعری کے حوالے سے شہناز مزمل ادا جعفری کی شاعری سے متاثر نظر آتی ہے اور اس کے علاوہ طفیل ہشیار پوری سے جو بہت معصوم اور نیک انسان اور عظم شاعر تھے۔

شاعری کے حوالے سے شہناز مزمل کا کہنا ہے کہ:

> شاعری کی تخلیق کے لئے تنہائی ضروری نہیں ہے۔کیونکہ جب بھی کوئی خیال پنپتا رہتا ہے اور جب پختہ ہو کر کوئی شکل اختیار کر لیتا ہے تو صفہ قرطاس پر بکھر جاتا ہے تنہائی کوئی ضروری چیز نہیں ہے۔ شاعری کرنے کے لئے۔فون کال ۔

ادب سرائے انٹرنیشنل تنظیم

ادب سرائے ایک ادبی تنظیم ہے جن کی چیئر پرسن شہناز مزمل صاحبہ ہیں جو آج ادب کے میدان میں بہت سے کارنامے سرانجام دے رہی ہیں اور اس میں بہت سی نامور شخصیات شامل ہیں جو اردو ادب کو ترقی دینے میں نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔

''ادب سرائے'' اور ''حلقہ تجدیدِ سخن'' ان دونوں تنظیموں کی بنیاد شہناز صاحبہ نے رکھی ہے یہ ادارے بچوں اور عورتوں کے لئے ایک پلیٹ فارم کی حیثیت رکھتے ہیں اور عہد شہناز کے اہم کارنامے ہیں۔

''ادب سرائے'' انٹرنیشنل ادبی پروگرامز کی تنظیم ہے جس کا آغاز ۱۹۸۷ء ادارے کی تشکیل کے ساتھ ہی ادب سرائے انٹرنیشنل ہیڈ آفس ۱۲۵ ایف ماڈل ٹاؤن سے ہو گیا۔

یہ ایک سنہرے ادبی دور کا آغاز تھا۔ اس میں بہت سے نامور شعراء شاعرات اور ادب سے محبت رکھنے والے لوگ شامل ہے۔ جنہیں ہم کبھی بھی بھلا نہیں سکتے۔

شاہد بخاری جو عرصہ دراز سے ادب سرائے انٹرنیشنل سے منسلک رہے مگر ۱۹۹۷ء سے لے کر ۲۰۱۰ء تک ان کی گراں قدر ادبی خدمات جو انہوں نے بطورِ جنرل سیکرٹری فراہم کیں ادارہ انہیں بھی انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے انہوں نے ''ادب سرائے انٹرنیشنل'' کے ساتھ اپنے ادبی تعلق کا اظہار ایک خوبصورت غزل میں قلمبند کیا ہے جس کا ذکر نہ کیا جائے تو بات ادھوری رہ جائے گی۔ لکھتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ کیجئے

؎ دوسری سوموار کو ہر ماہ کی ہر شام کو
لائبریری کا ملا کرتا تھا سب کو در کُھلا ۸

ادب سرائے اپنے تمام معاونین اور ہمسفر ادبی دوستوں کو اور اِن کے ادبی جذبے اور لگن کو سراہتا چلا آتا ہے اور جہاں تک ادارے سے ممکن ہوا تمام اہم شاعروں، ادیبوں، مصنفوں، افسانہ نگاروں، صحافیوں، ادبی تنظیموں کے سربراہوں اور ادب سے محبت رکھنے والے دوستوں شہناز مزمل ادبی ایوارڈ کے سلسلے میں شامل کرتا رہا ہے اور ان کی خاطر خواہ پذیرائی بھی کرتا رہا ہے۔ اس حوالے سے میاں وقار السلام اپنی غزل میں لکھتے ہیں:

؎ آپ میرا یقین گماں ہیں آپ
لفظ و معنی کا اک جہان ہیں آپ
میں ادب کا ہوں ایک طالب علم
علم و دانش کا آسمان ہیں آپ
؎ میرا قائم وقار آپ سے ہے
میری پہچان میرا مان ہیں آپ [۹]

ادب سرائے عہدِ شہناز کی وہ کامیاب تنظیم ہے جو کسی بھی انسان کے ہاں معمولی سا بھی ادب کا ہنر جاننے والا ہو اسے ترقی کرنے اور اپنے آپ کو منوانے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ اور اس نے ادب کے حوالے سے اردو ادب کے ذخیرے میں بہت اضافہ کیا ہے۔ ''ادب سرائے انٹرنیشنل'' نے ادب کے میدان میں شاید وہ خواب بھی پورے کئے ہیں جو اس نے کبھی دیکھے بھی نہیں تھے۔ ''ادب سرائے انٹرنیشنل تنظیم'' بہت سے لوگوں کا مقروض ہے جن کی مسلسل محنت اور لگن حوصلہ افزائی کی وجہ سے ادب سرائے انٹرنیشنل اپنے سفر کو جاری رکھتے ہوئے اپنی منزل کی طرف گامزن ہے۔

اور آج ''ادب سرائے انٹرنیشنل'' کی تیسری نوجوان قیادت کام کر رہی ہے۔ اس میں احمد فاروق خان، ایمان فاروق خان، وائس چیر پرسن دانش ستار، جنرل سیکرٹری شازیہ اپنی اپنی ذمہ داریاں سنبھال چکے ہیں۔ اور اب سرائے انٹرنیشنل اپنی اپنی نسل کے خوابوں میں اپنی منزل تلاش کر رہا ہے۔

اعزازات

شہناز مزمل مزمل نے جس طرح اردو ادب میں کامیابی حاصل کی ہے اور بہت سے نامور کارنامے سرانجام دیئے ہیں اور جس طرح محنت اور لگن سے کام لیتے ہوئے ترقی کی ہے اس کی بنا پر ان کو بہت سے القابات سے نوازہ گیا ہے۔ اور اُن کی اِن کاوشوں کی بدولت جو انہوں نے پوری زندگی میں جاری رکھی ہیں۔

شہناز مزمل صاحبہ کو درج ذیل اعزازت سے نوازا گیا ہے۔

☆ بانی چیف لائبریرین/انچارج گورنمنٹ ماڈل ٹاؤن لائبریری لاہور

☆ پہلی لائبریری انچارج خاتون آف پبلک لائبریز پنجاب

☆ پہلی خاتون اناؤنسر آف ریویڈ پاکستان ملتان

☆ فروری ۱۹۸۹ء میں امریکی مشاعرے میں شرکت کی

☆ مارچ ۱۹۹۳ء میں آل پاکستان خواتین شاعرہ انٹرنیشنل وومن کلب لاہور میں شرکت کی

☆ جولائی ۱۹۹۳ء میں پاکستان ٹیلی وژن کے زیر اہتمام پہلا خواتین سرائیکی مشاعرہ منعقد ہوا اس میں انہوں نے بطور شاعرہ شرکت کی۔

☆ ملک بھر میں منعقد ہونے والے مختلف مشاعروں میں شرکت کرتی رہتی ہیں اور غیر ملکی مشاعروں میں جانے کا بھی کئی بار موقع ملا

☆ ادب سرائے ادبی تنظیم کی چیئر پرسن ہیں

☆ شہناز مزمل کو یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے ۱۹۸۹ء میں لاہور میں پہلا بڑا سرائیکی مشاعرہ منعقد کروایا جس میں ملک کے ممتاز سرائیکی شعراء کے ساتھ ساتھ مشہور گلوکار عطا اللہ خان عیسیٰ خیلوی نے بھی بطور خاص شرکت کی۔

☆ شہناز مزمل کو ابھی شاعری کرتے چند برس ہی گزرے ہیں کہ ان کے چار مجموعے چھپ کر منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ ''پیامِ نو'' اُن کا پہلا مجموعہ ہے اس کے بعد ''جرأتِ اظہار''، جذب و حروف'' اور عکس دیوار پر تصویر'' جبکہ پانچواں مجموعہ ''میرے خواب ادھورے ہیں'' ہے۔

☆ انھوں نے اردو ادب کے ذخیرے کو وسیع کیا ہے اور اردو زبان کو ترقی اور فروغ دیا ہے۔

ایوارڈز

(۱) شیڈول ایوارڈ برائے میاں عامر محمود کونسلر اینڈ ریزیڈنٹ آف ماڈل ٹاؤن ۱۰ جون ۱۹۸۹ء

(۲) ایوارڈ برائے محسن کارکردگی ۹۱۔۱۹۹۰ء

(۳) لائبریری ایوارڈ ۱۳ ستمبر ۱۹۹۱ء

(۴) جنگ ٹیلنٹ ایوارڈ برائے ایجوکیشن اینڈ دی ڈائریکٹر جنرل پبلک لائبریز پنجاب لاہور ۱۱ نومبر ۱۹۹۳

(۵) بہترین اردو شاعرہ ایوارڈ ۲۳ جنوری ۱۹۹۵ء

(۶) گولڈ میڈل بی ایل اے ۱۰

سفر

شہناز مزمل صاحبہ اب تک بہت سے ممالک کے دورے کر چکی ہیں اور ان کو جاننے اور پڑھنے والے نہ صرف پاکستان میں ہیں بلکہ بہت سے ممالک میں پائے جاتے ہیں اور اُن کا نام بھی پاکستان کے علاوہ اور بھی بہت سے ممالک میں جانا پہچانا جاتا ہے اردو ادب کے حوالے سے کافی جانی پہچانی حیثیت رکھتا ہے۔

آپ نے مختلف جگہوں کے دورے کئے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

☆ نیوزی لینڈ

☆ ہالینڈ

☆ بلجیئم

☆ لکسمبرگ

☆ یو کے

☆ لندن (برمنگھم مانچسٹر)

☆ سعودی عرب

☆ انڈیا

☆ امریکہ

☆ بحرین

☆ قطر

☆ ائرلینڈ

☆ بریڈفورڈ

مشاغل اور دیگر سرگرمیاں

شہناز مزمل صاحبہ نے ادبی غیر ادبی ثقافتی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیا اور آج تک بھی یہ سلسلہ جاری ہے

چیئر پرسن ادبی تنظیم (ادب سرائے) قائم شدہ ۱۹۸۸ء ممبر لاہور کلچرل کونسل

- ممبر رائٹر گلڈ ر پاکستان
- ممبر حلقہ اربابِ ذوق
- ممبر پاکستان ایسوسی ایشن (بی ایل اے)
- چیئر پرسن (قادری میموریل ویلفیئر ٹرسٹ)
- ممبر انٹرنیشنل ویمن کلب
- سرپرست اعزازی سہ ماہی ادب سرائے

ان تمام شعبوں میں شہناز مزمل نے حصہ لیا ہے اور نہایت ذمہ داری سے اپنے فرائض سرانجام دیتے ہوئے ان تمام اداروں کو چلا رہی اور اپنی ملازمت ایمانداری سے سرانجام دے رہی ہیں۔[۱۱]

مشاغل

شہناز مزمل کو بچپن سے ہی مصروف رہنے کا شوق تھا۔ وہ اپنے زمانے میں بیڈمنٹن اور ٹیبل ٹینس کی بہترین چیمپن تھی اور اس کے علاوہ بھی مختلف کھیلوں میں حصہ لیتی رہی۔

شہناز مزمل نے تقاریری مقابلوں میں بھی شرکت کرتی رہی اور اچھی مقرر (Debator) بھی رہی نیشنل لیول پر بھی تقاریر کرتیں رہیں۔

سکول سطح پر میں بھی ادبی سرگرمیوں کے علاوہ دوسری غیر ادبی سرگرمیوں، ڈراموں، ٹیبلوز اور فینسی ڈریس شوز میں بھی حصہ لیتی رہی۔

شہناز مزمل کو پیروڈیز بنانے کا بہت شوق تھا شاعری کے علاوہ وہ مختلف چیزوں کی پیروڈی بھی بناتی تھی۔[۱۲]

شہناز مزمل کی شخصیت

شخصیت ان خصوصیات کا نام ہے جو ایک شخص کو دوسرے شخص سے الگ اور ممتاز کرتی ہے کسی بھی شخصیت کو جاننے کے لئے اس کے ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن میں بھی جھانکنا پڑتا ہے۔ کیونکہ ظاہری خدوخال اور باطنی خوبیاں مل کر ہی ایک شخصیت بناتی ہیں۔ اسی طرح شہناز مزمل بھی ایک خوبصورت اور خوب سیرت شخصیت ہیں۔ ذہانت کے نور سے چمکتی آنکھیں پرنور چہرہ دیکھنے والے کو پہلی ہی نظر میں متوجہ کر دیتا ہے ایک خوبصورت مسکراہٹ ہمہ وقت ان کے چہرے پر رہتی ہے ہنستی اور مسکراتی یہ شخصیت اپنی جاذبیت اور دلکش لفظوں سے سب کے دل موہ لیتی ہے۔ ان کی شخصیت کے ہر پہلو سے نفاست اور خوش سلیقگی چھلکتی ہے۔

شہناز مزمل صاحبہ ایک ہمہ گیر شخصیت ہیں بے پناہ مصروفیت کے باوجود اُن کے چہرے پر شگفتگی برقرار رہتی ہے اور لبوں پر ایک لطیف سی مسکراہٹ۔ ان کا لہجہ شفقت بھرا دھیما اور خلوص سے بھرا ہوا ہے۔ شہناز مزمل اپنے اسی انداز سے لوگوں کے دلوں میں گھر بناتی چلی جاتی ہیں اور لوگ ان کو عزت واحترام دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

شہناز مزمل نہ زیادہ بولتی ہیں نہ خاموش طبع ہے اگر کسی سے ناراض بھی ہو جائیں تو جلد مان جاتی ہیں اسے ذاتی انا نہیں بناتی ہیں۔

شہناز مزمل صاحبہ نے کسی بھی مشکل کو اپنے راستے میں رکاوٹ نہیں بننے دیا۔ وہ اپنے راستے سے خار ہٹاتی راہ کے پتھر چنتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہیں۔

ایک بیوی اور ماں ہونے کے ساتھ ساتھ بہت سی ذمہ داریاں نبھا رہی ہیں پھر بھی کبھی کوئی شکوہ نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ انہوں نے اتنی شہرت اور عزت ومقام دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی سب مشکلات کو آسان بنا دیا ہے۔

عکسِ خیال ''شہناز مزمل ایک تعارف'' میں موسیٰ کلیم نظامی اپنے مضمون ''شہناز مزمل صاحبہ کی شخصیت اور کلام پر ایک طائرانہ نظر'' میں لکھتے ہیں:

''حجاب کا یہ علم کہ وہ پردہ نہ کرتے ہوئے بھی باپردہ ہیں۔کسی محفل میں وہ بیٹھی ہوئی ہوں تو یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ بے پردہ ہیں۔ان کی آنکھوں میں ہر وقت حجاب کا پردہ پڑا ہوتا ہے۔خاموش طبع کم گو اور باکردار لوگوں کی چہ مگوئیوں سے بے نیاز، بڑوں کی عزت، چھوٹوں سے شفقت ان کا خاصہ ہے''۔[۱۳]

شہناز مزمل کو مذہب سے خاص لگاؤ تھا۔اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کی محبت دل میں رچی بسی ہے۔وہ لوگوں کو بھی دین کی طرف راغب کرتی ہیں اور خاص طور پر بچوں کو۔

شہناز مزمل صاحبہ ایک کتاب کی طرح ہیں جن میں بہت سی صلاحتیں سمائی ہوئی ہیں۔شہناز مزمل ایک مثالی خاتون ہونے کے ساتھ ساتھ ایک منفرد شاعرہ اور نثر نگار بھی ہیں۔ان کی بہت سی کتابیں بہت کم عرصے میں منظر عام پر آ چکی ہیں۔

شہناز مزمل صاحبہ لاہور کی ایک مصروف شاعرہ ہیں جنہیں دنیائے شعر و ادب میں نہ صرف اپنے خوب صورت کلام کے باعث بلکہ اپنی باوقار شخصیت کی وجہ سے نمایاں مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ان کی زبردست شخصیت اور سیرت و کردار کی تعمیر میں ان کے والدین کی خصوصی توجہ کے ساتھ ساتھ گھر کے دیگر افراد نے بھی اہم کردار ادا کیا۔

ان کی تربیت میں سب سے اہم چیز گھر کا ماحول ہے۔انہوں نے جس گھرانے میں جنم لیا وہ سید گھرانہ ہے۔ان کے گھرانے میں نماز روزے کی پابندی، قرآن پاک کی تعلیم و ترجمہ و تفسیر، احادیث مبارکہ کا مطالعہ ان تمام امور کی پابندی تھی اور ان تمام امور پر عمل کیا جاتا تھا۔گھر کے صاف ستھرے ادبی و دینی ماحول نے ان کی شخصیت کو نکھارنے میں اہم کردار ادا کیا۔وہ نہایت مودب، نیک سیرت، صوم و صلوۃ کی پابند ایک دین دار خاتون ہیں۔اپنے سے بڑوں کا احترام کرنا، عاجزی کے ساتھ جھک کر سلام کرنا، ان کے محفل میں آنے پر احتراماً کھڑے ہو جانا یہ باتیں شروع ہی سے ان کی تربیت کا حصہ ہیں۔جو وقتاً فوقتاً ان کو سکھائی جاتی تھیں۔وہ دھیمے لہجے میں بڑی شگفتگی اور شائستگی سے گفتگو کرتی تھیں۔طبیعت کا دھیما پن، زبان میں شرینی ان کا خاصہ ہے۔دوران گفتگو نرمی سے گفتگو کرتے ہوئے بڑے ادب و احترام کو ملحوظِ خاطر رکھتی ہیں۔ان کا یہ رویہ نہ صرف بڑوں کے ساتھ ہے بلکہ چھوٹوں سے بھی شفقت و پیار اور محبت سے پیش آتی ہیں۔اور ایک مشفق ماں کی طرح ان سے برتاؤ کرتی ہیں۔

شہناز مزمل ایک علم دوست خاتون ہیں۔علم و ادب سے انہیں گہرا لگاؤ ہے وہ دوسروں کو بھی پڑھنے لکھنے اور آگے بڑھنے کی ترغیب دیتی ہیں۔کہا جاتا ہے کہ شاعر حساس ہوتے ہیں۔شہناز مزمل بھی ایک حساس اور ہمدرد خاتون ہیں اُن کے دل میں

دکھی انسانیت سے محبت اور ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ غریب اور مستحق اور خاص طورر پر سفید پوش لوگوں کی مدد کرنے پر خرچ کرتی ہیں۔ وہ اکثر یتیم اور بے سہارا بچیوں کی شادی کے اخراجات بھی اٹھاتی ہیں۔

شہناز مزمل صاحبہ کا دن رات کتابوں میں گزرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے دوست احباب انہیں ''مسز کتاب'' کہتے ہیں۔

بقول مہر نسیم:

> ''مسز کتاب کی گفتگو بھی بڑی متوازی اور خوب صورت ہوتی ہے اپنی تحریروں کی مانند صاف ستھرے اور آسان فہم الفاظ میں بات چیت کرتی ہیں۔ انہیں بے ہودہ گوئی اور بے ہودہ نگاری سے سخت نفرت ہے۔ اس لحاظ سے خود بھی صاف ستھری اور بے ہودگی سے پاک گفتگو اور تحریریں پسند کرتی ہیں مسز کتاب حقیقی زندگی میں نانی کہلاتی ہیں مگر دیکھنے میں نانی اماں دکھائی نہیں دیتی۔ گویا اپنی عمر سے کم دکھائی دیتی ہیں اور نہ ہی دادیوں، نانیوں کی مانند نصیحت کرتی ہیں۔ ہر ایک کی دوست بن جاتی ہیں اور خوب دوستی نبھاتی ہیں'' ۱۴

شہناز مزمل ایک سچی اور کھری خاتون ہیں، جو اپنے اصولوں پر ڈٹی رہتی ہیں۔

عکس خیال کے انگریزی حصے کو جسے شہناز مزمل کی بیٹی نعمانہ فاروق نے مرتب کیا ہے لکھتی ہیں:

آغاز میں وہ لکھتی ہیں:

Scholar Lady the town versatile

Shahnaz Muzamml, the Versatile Scholar Lady of the town is a poetess, a writer a doctor and anthusiastic. Library administrator a past debator compare and an athlete Also Besides, this, she is a good house wife. a Loving Mother and who khnows what she might be mor (Reflections Of Thoughtes) 15

شہناز مزمل کو خلقِ خدا سے محبت ہے۔ ان کا طور طریقہ بود و باش سب اسلامی معاشرہ کی طرح آئینہ دار ہے اور یہ تمام اوصاف مل کر رہی شہناز مزمل بنی ہیں۔

جس طرح وہ خود لکھتی ہیں:

؎ تھے عجیب میرے بھی فیصلے میں کڑی کماں سے گزر گئی
رہے فاصلے میرے منتظر میں تو جسم و جاں سے گزر گئی [۱۶]

شہناز مزمل صاحبہ کی شخصیت کے ہر پہلو سے نفاست اور خوش سلیقگی جھلکتی ہے ان کا بیان ہے کہ وہ نوجوانی میں زیادہ تر ساڑھی پہنا کرتی تھیں مگر اب شلوار قمیض پہننا پسند کرتی ہیں۔

خوراک کے حوالے سے شہناز صاحبہ کوئی خاص پسند نہیں رکھتیں بلکہ سب کچھ شوق سے کھا لیتی ہیں۔ البتہ تیز مصالحوں سے پرہیز کرتی ہیں۔

شہناز مزمل کی گفتگو کا انداز نہایت سلجھا ہوا ہے جو مقابل کو متاثر کرتا ہے گفتگو میں شائستگی، طبیعت میں دھیما پن اور زبان میں شیرینی ان کا خاصا ہے۔

شہناز مزمل اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں یکساں مہارت رکھتی ہیں۔ علاوہ (ازیں پنجابی، فرانسیسی زبان بھی جانتی ہیں مزید برآں عربی زبان سیکھنے کی خواہش مند ہیں۔

شہناز مزمل کی شخصیت کے متعلق چھوٹی بیٹی میمونہ سلطان کا کہنا ہے:

> ''میری والدہ ایک آئیڈیل Ideal Mother ہیں۔ والد کی طرح انہوں نے ہمارا خیال رکھا۔ ہماری والدہ کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ وہ جاب بھی کرتی تھیں۔ کچن کے کام بھی خود ہی کرنے کو ترجیح دیتی مطلب گھر اور باہر دونوں کی ذمہ داری وہ خود نبھاتی تھیں۔ سب سے بڑھ کر اپنی مصروفیات کے سبب پورا ٹائم دیتی تھیں۔'' [۱۷]

شہناز مزمل کی شخصیت کے حوالے سے ان کی دوست نادیہ طاہر جو یونیورسٹی کے زمانے کی دوست کہتی ہیں:

> شہناز مزمل ایک بہت اچھی دوست اور محبت کرنے والی شخصیت ہے کے ان ساتھ گزارا ہوا ہر لمحہ ہمیشہ یاد رہے گا۔ اور سب سے بڑی خوبی جو ایک شاعرہ میں ہونی چاہئے وہ ان کا ادب سے لگاؤ

ہے۔مشاعروں میں ان کا کلام بہت متاثر کن ہوتا ہے۔تاہم وہ بہت اچھی شاعرہ ہے اور ہمیں ان
کے دوست ہونے پر فخر ہے۔۱۸؎

شہناز مزمل کی شخصیت میں ایک خاص ٹھہراؤ ہے، انھیں غصہ نہیں آتا اور شخصیت کا یہ ایک خاص رخ قریبی رشتوں سے تعلق نبھانے میں سامنے آتا ہے بطور ماں بھی شہناز مزمل نہایت نرم اور بچوں کا خیال رکھنے والی خاتون ہیں۔بچوں کی پرورش میں انہوں نے کبھی سختی سے کام نہیں لیا۔

شہناز مزمل صاحبہ نے اپنی عملی زندگی میں بہت محنت کی ہے ان کی بڑی بیٹی نعمانہ فاروق کا کہنا ہے:

میری امی بہت سویٹ (Sweet) والدہ ہیں۔بہترین ماں ہیں کالج لائف تک انہوں نے
ہماری ضروریات کا خاص خیال رکھا۔ یہاں تک کہ ہمارے یونیفارم اور ہمیں بھی تیار کرتیں
اور والد صاحب کی وفات کے بعد یونیورسٹی آنے کے تمام مواقع فراہم کئے گویا ہر لحاظ سے
پرفیکٹ مدر ہیں۔۱۹؎

شہناز مزمل صاحبہ پر اعتماد، دانش وری، عمل پیہم، لگن اور جذبہ پرواز، علم و آگہی کا مکمل پیکر ہیں۔شہناز مزمل کو افسر کی حیثیت سے دفتر میں بیٹھے دیکھے تو الگ حسن ہوتا ہے اور گھر میں گھر دار عورت، ماں اور بیوی کی حیثیت سے مکمل ذمہ دار عورت ہے۔۱۹؎

شہناز مزمل بطور نظم نگار

نظم مسلسل خیال کے اظہار کا نام ہے۔بطور نظم نگار اگر ہم شہناز مزمل کے فکر وفن کا جائزہ لیں تو غزل کے مقابلے میں اُن کی نظموں کی تعداد زیادہ ہے۔جن میں چند پابند نظمیں اور بیشتر آزاد نظمیں شامل ہیں۔

غزل کے مقابلے میں نظم میں شاعر اپنے احساسات وجذبات اور اس کے علاوہ اپنے حالات وواقعات جو داخلی ہوں یا خارجی روانی کے ساتھ بیان کرسکتا ہے۔

شہناز مزمل نے بھی ابتداء میں پہلی کتابوں ''جذب وحروف'' جراتِ اظہار اور عکس دیوار پہ تصویر'' میں زیادہ تر نظمیں پابند نظم کی ہیئت میں لکھیں جن کی تعداد ۱۵ ہے۔لیکن اگر ابتدا سے لے کر اب تک کے موضوعات کا جائزہ لیا جائے تو نظم میں ان کے ابتدائی دور کے موضوعات زیادہ تر ملی و مذہبی ہیں۔یعنی کے انہوں نے ابتدا میں اپنے پیارے وطن پاکستان سے محبت کا اظہار

کیااوراپنے وطن کی سلامتی اور کامیابی کے لئے دعائیہ کلمات لکھے۔

لکھتی ہیں:

تم ہوجانِ پاکستان

تم ہوآنِ پاکستان

ایک پرچم کے پیچھے آؤ

شان اخوت کی دکھلاؤ

ایک خدااورایک رسولؐ

یہ کیوں تم بیٹھے ہوبھول ۲۰

وطن سے محبت کے ساتھ ساتھ شہناز مزمل نے ان عظیم ہستیوں کوسراہا جن کی کوششوں سے ہمیں وطن حاصل ہوا۔اور جس میں آزادی سے جی رہے ہیں۔اورایک آزادشہری کی حیثیت سے سانس لے رہے۔ان میں سرِفہرست جن شخصیت کا نام ہے، وہ ہمارے ''قائداعظم'' کی شخصیت ہے۔شہناز مزمل کی ایک نظم کا عنوان ''قائداعظم'' ہے۔جس میں انہوں نے اُن سے محبت کا اظہار کیا ہے۔

؎ ملک پاکستان اُس کی کوششوں کا ہے ثمر
فکر سے اُس کی یہ نقش جاوداں بن کر رہا ۲۱

اس کے علاوہ شہناز مزمل نے ابتدا میں ملی و مذہبی شاعری کے علاوہ بچوں کے لئے بھی شاعری کی اور چھوٹی بحر میں بچوں کے لئے نظمیں لکھیں جیسے ''ننھی چڑیا''اس میں لکھتی ہیں:

؎ صبح سویرے نور کے تڑکے
آنکھ میری جو کھلتی ہے

لے کر نام خدا کا میں

آغاز سحر کا کرتی ہوں ۲۲

شہرت بخاری شہناز مزمل کی ابتدائی دور کی شاعری کے حوالے سے کہتے ہیں:

شہناز مزمل کی نظموں کے موضوعات میں ہمیں اسلام اور پاکستان کے والہانہ محبت اور ذوق ادب کا اظہار بھی ملتا ہے۔ شہناز مزمل نے اپنی نظم میں سیاسی، معاشرتی اور معاشی مسائل کو بھی موضوع بنایا ہے۔ مثال کے طور پر لکھتی ہیں:

؎ درد الاؤ کیسے جلے گا
آتشِ لاوا کب پگھلے گا
خواب فردا کس کو ملے گا
رات کا دریا کب اُترے گا
صبح کا سورج کب نکلے گا ۲۳

شہناز مزمل نے اپنے معاشرے میں ارد گرد پھیلے مسائل کو بخوبی دیکھا محسوس کیا اور اس غم کا اظہار اپنی شاعری کے ذریعے کیا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ زرد موسموں کے عذاب کو سہتے ہوئے اپنا تخلیقی سفر جاری رکھے ہوئے ہے۔ وہ آزاد نظم میں یقیناً اپنی انفرادیت کا پرچم اٹھائے اور تخلیقی قوت سے کام لیتے ہوئے صفِ اول میں اپنی جگہ بنانے کی خاطر پرعزم دکھائی دیتی ہیں۔ اُن کی خوبصورت آزاد نظموں میں ''رَت جگوں کی مسافت'' ''کربلا کے نام'' ''دائروں کے درمیان بنتا شہر'' اور ''آنچ سے پگھلتی برف'' ایک حد تک علامتی ضروری ہیں لیکن فکر کے تقاضوں پر پورا اترتی ہیں۔

اسی طرح ''موم کے سائبان'' احساس کی زنجیر'' ''حسرتوں کی قتل گاہ'' اور ''خموشی جان لیوا ہوگئی ہے'' ایسی کامیاب نظمیں ہیں جو شعور کی دہلیز پر نئے امکانات کی روشنی بکھیر رہی ہیں۔ شہناز مزمل نے ان تمام موجودہ مسائل اور لوگوں کی الجھنوں اور معاشرے کے اہم مسائل کو شعروں کا لباس پہنا کر قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔

احساس کی زنجیر مجھے باندھ رہی ہے

بے شور فضا میں کوئی طوفان اٹھا ہے

سرکش ہے ہر اک موج کوئی راہ نہیں ہے

گزرے ہوئے لمحوں کی خلش آج مجھے کیوں

تنہائی ہے جنگل کی طرف کھینچ رہی ہے۔ ۲۴

شہناز مزمل کے ہاں خواب ٹوٹنے اور بکھرنے کا عمل بہت خوب صورت طریقے سے سامنے آتا ہے ''موم کے سائبان'' کی شاعری مستقل خواب دیکھ رہی ہے اور دیکھنا چاہتی ہیں۔

شہناز مزمل کی نظموں میں ''خواب'' اور پھر ''آنکھ'' استعارہ ہیں۔ وہ مستقبل کے خواب دیکھتی مٹی سے رشتہ جوڑتی آگے بڑھنا چاہتی ہیں۔ خواب دیکھنا ہر انسان کی فطرت ہے خواب جینے کا آگے بڑھنے کا اور کچھ نہ کچھ پانے کا حوصلہ دیتے ہیں۔

اپنی نظم ''مٹی'' میں لکھتی ہیں:

مٹی وہ بھی

مٹی میں بھی

کیوں نہ اب میں دور کی سوچوں

مٹی کھیلوں، مٹی پہنوں

اور مٹی ہو جاؤں ۲۵

شہناز مزمل کے اظہارِ خیال میں دلکشی ہے۔ ان کی آواز کوئی صدائے صحرا نہیں بلکہ ایسی آواز ہے جو شاعری میں ہمیشہ اپنے منفرد انداز کے ساتھ گونجتی رہے گی۔ اور لوگوں کو متوجہ کرتی رہے گی۔

شہناز مزمل کی نظموں میں ہمیں دنیا کی بے ثباتی کا غم جگہ جگہ ملتا ہے۔ وہ حالات کی بے یقینی کا ماتم کرتے نظر آتی ہیں۔

شہناز مزمل نے بہت سی نظموں میں علامتوں کا استعمال کیا ہے جس طرح کہ ان کا شعری مجموعہ موم کے سائبان ایک امیجری سے بھرپور کتاب ہے۔ نظم میں ''برگد'' اور ''سائبان'' عظیم علامتیں ہیں۔

شہناز مزمل کی شاعری زندگی کے مسائل اور اردگرد کے حالات کی بھی واضح عکاسی کرتی ہے کس طرح ہر طرف شکست و ریخت نظر آتی ہے مگر اس کے باوجود بھی شاعرہ نے لوگوں کا امید کا پیغام دیا ہے۔ وہ مایوس نہیں ہے۔ کہتی ہیں:

فضائیں دُھند میں لپٹی ہوئی ہیں
مجھے پرواز کرنا ہے
مجھے پر کھولنا ہوں گے
مجھے در کھولنا ہوں گے۔ ۲۶

شہناز مزمل بطور غزل گو

شہناز مزمل نے اپنے شعری سفر کا آغاز تو نظم سے کیا لیکن غزل کے میدان میں بھی وہ ایک منفرد مقام رکھتی ہیں۔غزل بڑی نازک صفِ سخن ہے۔ بظاہر تو یہ آسان لگتی ہے مگر اصل میں یہ بہت بڑی مشق ومہارت کا کام ہے۔اور اس کو لکھنے کے لئے زبان و بیان پر قدرت حاصل ہوتی ہے۔فکر اور خیال کا بہاؤ، لب و لہجے کے شیرینی اور داخلیت کے ساتھ ساتھ خارجیت کا ہونا بھی ضروری ہوتا ہے یعنی غمِ جاناں کے ساتھ غمِ دوراں بھی ہو۔ان تمام اوصاف سے مل کر ہی غزل بنی ہے۔اسی طرح ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے شہناز مزمل نے جب اپنے احساسات وجذبات کو غزل کی ہیئت میں پیش کیا تو انہیں مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔اگر چہ انہوں نے باقاعدہ شعری اوزان یعنی علم وعروض سیکھنے کے بعد شاعری نہیں کی وہ اپنی کتاب ''جذب وحروف'' کے دیباچے میں لکھتی ہیں۔

''شاعری انسانی جذبوں اور گہرے احساس کی تخلیق ہے میرے لئے شاعری ذریعہ اظہار ہے شعر
''بہر میں نہیں لہر'' میں کہے گئے ہیں کیوں کہ میں پیدائشی شاعرہ ہوں۔''[۲۷]

ابتدا میں شہناز مزمل کی نظموں کی طرح غزلوں میں بھی روایتی موضوعات پائے جاتے ہیں۔

جس میں عشق ومحبت کے قصے، محبوب کی بے اعتنائی اور اس کی بے رخی کا شکوہ کرتی ہیں۔

زندگی غم اور خوشیوں کے ملاپ سے ہی بنتی ہیں۔ یہ سب مقدر کے کھیل ہیں کہ کس کے حصے میں دکھ زیادہ ہیں اور کس کے حصے میں سکھ بہت ہوتے ہیں۔

بقول شہناز مزمل:

؎ اپنے اپنے ہیں مقدر کی یہ باتیں شہناز
مسکراتا ہے کوئی، اشک بہاتا ہے کوئی [۲۸]

شہناز مزمل مزمل نے اپنے شعری سفر کا باقاعدہ ''آغاز پیامِ جذبُ وحروف'' سے کیا۔اس کے بعد ''عکسِ دیوار پر تصویر

بنا کر‘‘ سب کو حیران کر دیا۔ اور پھر وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ شہناز مزمل کے فکر وفن میں پختگی آتی گئی اور اب انہوں نے اپنی ذات اور ذاتی کیفیات سے نکل کر لکھنا شروع کر دیا ہے۔

شہناز مزمل نے خواہ غزل ہو یا نظم اپنی بات استعاروں اور تشبیہوں کے غلافوں میں لپیٹ کر لکھنے کی بجائے سیدھے سادھے سادہ الفاظ میں لکھا ہے کیونکہ آج کل کے دور میں کسی کے پاس اتنا وقت نہیں کے اشعار کو گھنٹوں سوچے اس لیے شہناز مزمل کی کوشش ہوتی ہے کہ خیال لفظوں سے اُبل رہا ہو۔

لکھتی ہیں:

میں جانتی ہوں کہ آگہی کا یہ گہرا ساگر

مجھے ہی آواز دے رہا ہے

مگر نجانے میں آج کل کیوں

عجب سا شہر بے صدا ہوں

میرے تصوّر کے سب جزیرے بھی منجمد ہیں

میں وقت کی ڈور میں بندھی ہوں

الجھ گئی ہوں ۲۹

جس طرح آج کل شاعری میں کچھ روحانیت کچھ، باطنیت اور کچھ تصوف ڈالنے کا رواج ہے تا کہ بات میں کچھ وزن پیدا ہو سکے۔

شہناز مزمل نے بھی اپنی شاعری میں اس بات کو اپنایا ہے۔ اس کے علاوہ شہناز مزمل نے اپنی غزلوں میں انہی موضوعات پر قلم اٹھایا ہے جنہیں مردوں نے اپنی جاگیر بنا کر رکھا ہے۔ تصوف اور باطنیت جیسے معاملات پر کھل کر اظہار کیا ہے۔

اپنے شعری مجموعے ’’عشق تماشا‘‘ میں انہوں نے شاعری کی ایک نئی جہت سے روشناس کروایا ہے۔ اور شہناز مزمل نے غزل میں اپنے اظہار کے لئے ایسے خوب صورت استعارے استعمال کئے ہیں۔ جن سے شعر کی قیمت میں اضافہ ہو جاتا

ہے۔مثلاً دھوپ،موم،پتھر وغیرہ۔

اوراس کے علاوہ انہوں نے مسائل اور معاشرے میں بڑھتی ہوئی خرابیوں کو اپنی غزلوں میں بطور موضوع شامل کیا ہے۔

مجموعی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ شہناز مزمل کا یہ لہجہ یہ انداز بیان، یہ خیالات کی رو، یہ تصور کی گہرائی ان کی شاعری میں یونہی نہیں آتی۔اس کے پس پشت بڑا ریاض ہے۔شعروادب کا وسیع مطالعہ ہے۔

اس نفسانفسی کے دور میں کوئی بھی انسان ایسا نہیں ہے جس کے دل میں پیار ومحبت ہو ہمدردی ہو سب لوگ پتھر کے ہوگئے ہیں اس لئے شہناز مزمل اپنی غزل میں لکھتی ہیں:

؎ کانچ کا شہر ہے اور لوگ ہیں پتھر سارے
ہاتھ میں تیشہ لئے پھرتے ہیں رہبر سارے ۳۰

جس طرح شہناز مزمل نے نظموں میں زندگی کے مسائل کو لکھا ہے اسی طرح ان کی غزلوں میں بھی عشق اور محبت کے جذبے کے علاوہ زیادہ تر حقیقت نگاری پر لکھا ہے زندگی کی ان حقیقتوں کو جو عام آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ایک ادیب یا شاعر ان کو زیادہ گہرائی سے محسوس کرسکتا ہے۔

اسی طرح شہناز مزمل نے بھی ان تمام مسائل اور زندگی کی حقیقتوں کو محسوس کیا اور ان کو اپنی نظموں اور غزلوں میں شاعری کی صورت میں بیان کیا ہے اور اپنے دکھ اور جذبات کی عکاسی کی ہے۔

یہیں چیزیں اور جذبات ہی ایک شاعر کو دوسرے عام انسانوں سے مختلف بناتے ہیں اور وہ معاشرے کو تیسری آنکھ سے دیکھتا ہے۔جس میں صرف لوگوں کے دکھ، درد، رنج اور معاشرے کے مسائل ہی باریکی سے دکھائی دیتے ہیں۔اور وہ معاشرے کے ان حالات اور مسائل کو نہ صرف دیکھتا جانچتا ہے بلکہ اسے اپنے قلم کے ذریعے اظہار بھی کرتا ہے اور اس کا حل بھی ممکن حد تک تلاش کرتا ہے۔اسی طرح شہناز مزمل بھی ایک حساس دل رکھنے والی شاعرہ ہیں۔انہوں نے بھی اپنے اردگرد کے مسائل اور وقت کے حالات کو دیکھا اور نہ صرف محسوس کیا بلکہ اپنے قلم کے ذریعے نظموں اور غزلوں کی صورت میں اپنا پیغام بھی لوگوں تک پہنچایا۔

حوالہ جات

۱۔ محمد اقبال۔شذرات فکرِ اقبال۔ڈاکٹر جاوید اقبال،مرتب۔لاہور:مجلس ترقی ادب،۱۹۷۳ء۔ص۶۷

۲۔ نعمانہ فاروق۔عکسِ خیال۔لاہور:پہچان پبلی کیشنز،۱۹۹۵ء۔ص۱۷۳

۳۔ ایضاً۔ص۱۰

۴۔ ایضاً۔ص۵

۵۔ ایضاً

۶۔ ایضاً۔ص۹

۷۔ شہناز مزمل،ڈاکٹر۔ٹیلی فونک انٹرویو،۲۱۔اپریل۲۰۲۱ء،بروز ہفتہ

۸۔ www.adabsarac.com

۹۔ www.waqar.pk.com

۱۰۔ حنا نعمان۔شہناز مزمل کی اردو غزل اور نظم کا فکری وفنی مطالعہ۔مقالہ برائے ایم فل مملوکہ منہاج یونیورسٹی۔لاہور:
۲۰۱۴ء۔ص۱۹

۱۱۔ مقدس ستار۔شہناز مزمل کی شاعری کے دینی عناصر۔مقالہ برائے ایم اے اردو مملوکہ اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی۔
لاہور:۲۰۱۵ء۔ص۹

۱۲۔ شہناز مزمل،ڈاکٹر۔ٹیلی فونک انٹرویو،۲۳اپریل۲۰۲۱ء،بروز جمعرات

۱۳۔ نعمانہ فاروق۔عکسِ خیال۔ص۱۴۴

۱۴۔ ایضاً۔ص۱۷۷

۱۵۔ ایضاً۔ص۶

۱۶۔ ایضاً۔ص۴۴

۱۷۔ ایضاً۔ص۲۶

۱۸۔ ایضاً۔ص۱۲۵

۱۹۔ ایضاً۔ص۲۶

۲۰۔ شہناز مزمل، ڈاکٹر۔جراتِ اظہار۔لاہور: بُک سروس شادمان، ۱۹۹۰ء۔ص۲۹

۲۱۔ ایضاً۔ص۲۷

۲۲۔ ایضاً۔ص۲۴

۲۳۔ شہناز مزمل، ڈاکٹر۔قرضِ وفا۔لاہور: ندا پبلی کیشنز رحمٰن مارکیٹ اردو بازار، ۲۰۰۲ء۔ص۲۳

۲۴۔ شہناز مزمل، ڈاکٹر۔موم کے سائبان۔لاہور: ہاک بک ایمپائر، ۱۹۹۴ء۔ص۱۴

۲۵۔ ایضاً۔ص۴۳

۲۶۔ شہناز مزمل، ڈاکٹر۔ندائے عشق۔ملتان: شیر ربانی پریس، ۲۰۱۹ء۔ص۱۸

۲۷۔ شہناز مزمل، ڈاکٹر۔ٹیلی فونک انٹرویو، ۲۹۔اپریل ۲۰۲۱ء، بروز ہفتہ

۲۸۔ شہناز مزمل، ڈاکٹر۔جرات اظہار۔ص۱۰۸

۲۹۔ شہناز مل، ڈاکٹر۔جادۂ عرفان۔لاہور: پاک بک ایمپائر، ۱۹۹۷ء۔ص۱۰۸

۳۰۔ ایضاً۔ص۴۲

باب دوم

موم کے سائبان کا فکری جائزہ

موم کے سائبان کا فکری جائزہ

غزل اور نظم کی روایت کو سامنے رکھتے ہوئے جب ہم شہناز مزمل کی جانب آتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ شہناز مزمل بھی ایک غزل گو اور نظم گو شاعرہ ہیں۔ جن کی غزل میں روایتی رنگ کے ساتھ ساتھ دھیما پن جدت اور خارج و باطن کا عمدہ امتزاج ہے۔

شہناز مزمل ایمائیت، روایت سے بغاوت، جدت، طرازی نئے امکانات، منفرد اسلوب، نئے تلازمی اور ریزہ خیالی کی نئی شکلیں پیش کرتی ہیں۔ وہ حیثیت شاعرہ ایک توانا اور منفرد لہجے کی شاعرہ ہیں۔

آج کا شاعر اپنے ظاہر و باطن کی کشمکش اور اپنی شخصیت کا حسن سمیٹ کر شاعری تراشتا ہے۔ وہ بھی داخلیت سے خارجیت اور کبھی خارجیت سے داخلیت کا سفر طے کرتا ہے۔ شہناز مزمل اسی لذت سفر سے آشنا ہو کر اپنے ذوق سفر کی خاطر ادھورے خوابوں اور رتجگوں کے عذاب سر پر اٹھائے ہوئے تخلیقی عمل سے گزر رہی ہیں۔

جدید عہد میں جہاں مختلف شاعروں نے فن کے لحاظ سے مختلف تبدیلیاں کیں وہاں موضوعات میں بھی زبگارنگی پیدا ہوئی اور شہناز مزمل بھی ان سب میں نمایاں شخصیت ہیں۔ انہوں نے بھی جہاں زبان و بیان میں تبدیلیاں کیں اور سادگی اور سہلِ ممتنع کو شاعری کا حصہ بنا کر فن اور فکر کو تازگی بخشی اور فکری حوالے سے شاعری کو وسعت بخشی وہاں انہوں نے زندگی کے محدود اور طے شدہ موضوعات کو ہی شاعری میں جگہ نہیں دی بلکہ زندگی اور کائنات کے متنوع پہلوؤں کو اپنی شاعری کا حصہ بنایا۔

ڈاکٹر شہناز مزمل موضوعاتی اعتبار اور تخلیقی تجربات کے حوالے سے کسی کی گرفت میں آنے والی شاعرہ نہیں انہوں نے کسی خاص موضوع یا شخص کے لئے شعر گوئی نہیں کی بلکہ انہوں نے ہر موضوع اور ہر طبقے کے لئے شاعری کی ہے۔

شہناز مزمل کا شعری مجموعہ ''موم کے سائبان'' متنوع موضوعات کا مجموعہ ہے لیکن اس مجموعہ میں کوئی خاص موضوع برآمد کرنا مشکل کام ہے۔ کیونکہ انہوں نے زندگی کے ہر پہلو کو نظر میں رکھا ہے۔ اور وہ ہر بات کو شعری پیکر میں ڈھالنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ اس لئے انسان کے سماجی مسائل و معاملات بھی اس مجموعے کا حصہ ہیں۔

''موم کے سائبان'' میں جو اہم موضوعات اظہار ہائے ہیں ان میں عشق ومحبت کا تصور، محبوب کی کج روی، بے بسی، غم اور خوشی کا تصور، نبی کریم سے عشق، تلاش وجستجو، تزکیہ نفس، مقصدیت، بے ثباتی، تانیثیت، خودی کا درس، ادھوری خواہشات وغیرہ کو نئی تازگی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اور یہ موضوعات حقیقی زندگی کے قریب معلوم ہوتے ہیں۔

جنہیں بہت سادہ اور واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے اور قاری ان موضوعات کو اپنی زندگی کا حصہ سمجھتا ہے۔

ابتدا میں شہناز مزمل کی نظموں کی طرح غزلوں میں بھی روایتی موضوعات پائے جاتے ہیں۔ جن میں عشق ومحبت کے قصے، محبوب کی بے اعتنائی اور اس کی بے رخی کا شکوہ کرتی ہیں۔

شہناز صاحبہ خود لکھتی:

> ''زندگی نام ہے خوشی اور غم کے امتزاج کا جس میں خوشیاں بھی ہیں اور غم بھی، دکھ بھی ہیں اور سکھ بھی۔ پھول بھی ہیں تو ساتھ کانٹے بھی۔ مسکراہٹیں ہیں تو ساتھ آنسو بھی لیکن یہ سب مقدر کا کھیل ہے کہ کس کے حصے میں سکھ زیادہ ہیں اور کوئی ہر پل دکھی ہوتا ہے''۔[۱]

شہناز مزمل کی شاعری کا اگر فکری وفنی حوالے سے جائزہ لیا جائے تو اس میں تقریباً وہ تمام لوازمات ملتے ہیں جن کا تقاضا شاعری کرتی ہے۔

اور شہناز مزمل کی غزلوں اور نظموں میں ہمیں درج ذیل موضوعات ملتے ہیں۔ جو انہوں نے اپنے وقت کے حالات و واقعات کو دیکھتے ہوئے ان کا انتخاب کیا اور ان موضوعات ہر قلم اٹھایا وہ درج ذیل ہیں۔

نبی کریمؐ سے والہانہ عشق

شہناز مزمل مزمل کو سرور کائنات نبی کریمؐ سے والہانہ عشق ہے۔ اُن کی شاعری اور فکر ونظر کے زاویے عشق رسولؐ کی تپش سے نکھار حاصل کرتے ہیں۔

شہناز مزمل صاحبہ نے نبی کریمؐ کی محبت میں بہت زیادہ اشعار اپنے شعری مجموعے ''موم کے سائبان'' میں لکھے ہیں۔

جن کو پڑھ کر اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ نبی کریمؐ سے بے انتہا محبت رکھتی ہیں اور انہوں نے نبی کریمؐ کی عقیدت میں بہت زیادہ نظمیں لکھیں ہیں۔

شہناز مزمل صاحبہ کی نظموں میں ہمیں جگہ جگہ مدینہ منورہ کا ذکر ملتا ہے۔انہوں نے مدینہ منورہ میں جانے کی خواہش اپنی بہت سی نظموں میں کی ہے۔

لکھتی ہیں:

؎ کیوں کوچہ جاناں سے اشارا نہیں آتا
مجھ کو درِ طیبہ سے پکارا نہیں جاتا
ہوں گوش بر آواز ملے اذن حضوری
دکھ دوری طیبہ کا سہارا نہیں جاتا [۲]

ایک جگہ شہناز مزمل یوں لکھتی ہیں:

کرم یہ رحمتِ رب الانام کردینا
عطائے جلوہ دارالسلام کردینا
پیام اذن حضوری ملے مجھے جس دم
زبان پر جاری محمدؐ کا نام کردینا [۳]

شہناز مزمل نے یوں تو بہت سے مذہبی موضوعات پر لکھا ہے مگر ان کی نظموں سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے انہیں نبی کریمؐ کی ذاتِ اقدس سے والہانہ عشق ہے، کہیں ان کا دل خاکِ مدینہ کے لئے بے تاب رہتا ہے اور کہیں خاکِ حرم کے لئے مچلتا ہے۔

نورِ فرقان میں عاصمہ احمد اس کا اظہار یوں کرتی ہیں:

''شہناز مزمل ادب کی دنیا میں ایک جانا پہچانا نام ہیں جو عشق حقیقی اور عشقِ مصطفیٰ کی تمام منزلیں طے کرتی ہوئی عشق کی معراج پا گئیں اور اللہ تعالیٰ نے انھیں ایسے انعام وکرام سے نوازا جو پوری دنیا میں کسی اور خاتون کی نصیب نہیں ہوا۔'' [۴]

ہر مسلمان کے دل میں محبوب خدا کی محبت کا جذبہ ایک عطیہ الٰہی ہے جو شخص عشق الٰہی کا دعویٰ کرتا ہے تو ممکن نہیں کہ وہ عشق محمدیؐ سے سرشار نہ ہو۔آپؐ سے عشق تو ایمان کی نشانی ہے۔

عشق رسولؐ ایک ایسی قوت ہے جس میں انسان فنا ہو کر ابدی اور حقیقی زندگی کی راہیں ہموار کر لیتا ہے۔

شہناز مزمل صاحبہ بھی مذہبی رجحان رکھتی ہے۔اس لئے انہوں نے عشق رسول میں بہت سی شاعری کی ہے۔

''موم کے سائبان'' میں بھی ہمیں آغاز میں عشق رسولؐ اور مذہب سے لگاؤ نظر آتا ہے۔

شہناز مزمل کی نظموں کا ایک نمایاں ترین موضوع عشق رسولؐ ہے۔جس طرح انہوں نے قرآن مجید کا منظوم ترجمہ بھی کیا ہے۔ان کی مذہبی نظموں کا ایک ایک حرف اس بات کی دلیل پیش کرتا ہے کہ اُن کا قلب عشقِ رسولؐ کے نور سے منور تھا۔اور وہ سچے عاشق کی طرح اپنی محبت کا اظہار نبی کریمؐ سے کرتی ہیں۔

اپنی نظم ''اسم محمدؐ میں لکھتی ہیں:

ذہن دریچے کھول کے بیٹھی

ہاتھ پر رکھے ہاتھ

کیسے لکھوں نعت

بھیگا چہرہ بھگی پلکیں

بھیگ رہی ہے رات

چشم بینا نورِ بصیرت

کوئی نہ دیگا ساتھ

اسم محمدؐ دل پر جو اترے

پھر ہی بنے گی بات ۵

نبی کریمؐ سے والہانہ عشق کا ہی نتیجہ ہے کہ عشق رسولؐ پر اتنا زیادہ لکھا ہے اور قرآن مجید کے منظوم ترجمے جیسا عظیم اور مقدس کام سرانجام دیا ہے۔

شہناز مزمل کو اسلام سے گہرا لگاؤ تھا اور یہ لگاؤ ان کی مذہبی نظموں میں واضح نظر آتا ہے۔

تزکیہ نفس

شہناز مزمل اپنی ذات کے حوالے سے معاشرتی رویوں پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے غزل اور نظم دونوں میں اپنے مخصوص اندازِ نظر سے کام لینا اچھی طرح جانتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ انہیں خود پسندی کی سرحد پر اپنا وجود پگھلتا ہوا محسوس ہو یا وہ لذتِ آزار میں مبتلا ہوکر منزلِ جاناں سے بے رخی کو اپنا شعار بنا لیتیں۔ مگر یہ اعجازِ تربیت ہے کہ وہ معصوم اور پاکیزہ جذبہ محبت کی مہکتی فضا میں تزکیہ ذات کا مرحلہ بخیر وخوبی طے کر گئیں۔ ''وہ موم کے سائبان'' کی تخلیق میں اپنے وجود کو پگھلتے محسوس کرتی ہیں۔

وہ خود اپنی ذات کا تزکیہ نفس کرتی ہیں کہ وہ آخر خود کہا ہے اپنے اندر پائی جانے والی تمام خوبیوں اور خامیوں کو بھی دکھتی ہیں۔

لکھتی ہیں:

؎ میں اپنی ذات کے اندھے خلاؤں میں گُم ہوں
میرا وجود ابھی میری دسترس میں نہیں
محبتوں کے سمندر کی پیاس کیا بجھتی
نصیب قربتِ جاناں تو اس برس میں نہیں [۶]

تصوف

شہناز مزمل کی شاعری میں تصوف اور روحانیت کا رنگ بھی موجود ہے جو کسی عورت کی شاعری میں حیران کرنے کے لئے ناکافی ہے۔ لیکن ڈاکٹر شہناز کی شخصیت کی عاجزی، بھروسہ اور پاکیزگی اس کی دلیل ہے۔

دراصل شہناز مزمل کی شخصیت کے پہلوؤں کو دیکھتے ہوئے پتہ چلتا ہے کہ محبت کا مفہوم ہی حقیقی محبت ہے اور اس بات کا ثبوت ان کے اس اشعار میں ملتا ہیں جہاں وہ زہد وعبادت رنگ میں رنگی ہوتی ہیں۔ اور اپنے اشعار میں سجدوں اور خدا کی بندگی کا ذکر کرتیں ہیں۔ لیکن ان سجدوں میں بھی ایک عجب تمکنت کا انداز ہے۔ کہ اقبال کی طرح وہ بڑے اعتماد سے شکوہ کرتی ہیں۔

لکھتی ہیں:

؎ فضائیں مرتعش سی ہیں سکوتِ شام ٹوٹا ہے
مرے روٹھے خدا نے پھر مجھے شاید پکارا ہو
انا اضداد کے گرداب میں گھرتی ہی جاتی ہے
خدایا اس سمندر کا کوئی آخر کنارا ہو ۷

ان کی شاعری میں مذہبی موضوعات کے علاوہ جگہ جگہ ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کا احکامات کا ذکر ملتا ہے۔ کہ ساری کائنات کا مالک اللہ تعالیٰ ہے وہی انسانوں کی جس طرح چاہے تقدیر لکھتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ دینا چاہے اس سے انسان کو نواز دیتا ہے۔

اپنی نظم ''ندائے خیر'' میں یوں لکھتی ہیں:

گردش آیام کی زنبیل میں

شاید کوئی لمحہ بچا ہو

جس پر میرا نام لکھ رکھا ہو

میرے کاتبِ تقدیر نے

اور پھر وہ ساعت خفتہ مجھے

بس ندائے خیر دے ۸

شہناز مزمل کی شاعری میں ہمیں جگہ جگہ تصوف اور فلسفہ وجودیت کے رنگ نظر آتے ہیں۔

لکھتی ہیں:

؎ مجھے راستوں کی خبر نہ تھی اڑی خاک میرے وجود کی
میں تلاش کرتی ہوئی تجھے ترے لامکان سے گزر گئی ۹

شہناز مزمل کے شعری مجموعے ''موم کے سائبان'' میں ہمیں بہت سے اشعار ایسے نظر آتے ہیں جن میں وہ اللہ تعالیٰ کی

ذات اور کرشمات کا ذکر کرتی ہیں۔ کہ انسان کے دل میں نفس میں ہر ہر جگہ خدا کی ذات موجود ہے اور صرف خدا کی ذات ہی اس عارضی دنیا میں باقی رہ جائے گی باقی سب کچھ فنا ہو جائے گا مٹ جائے گا۔

وہ اپنی غزل میں لکھتی ہیں

؎ نفس نفس میں کوئی آشکار ہوتا ہے
جو میرے دل کے قریں ہیں مرا خدا ہوگا [۱۰]

''صادقہ نصیر'' شہناز مزمل کے بارے میں اپنے خیالات کا یوں اظہار کرتی ہیں:

> ''شہناز اپنی سائیکی کی تمام تر دفاعی، میکانیتوں سے لڑنا چاہتی ہے اس لیے کہ وہ تاویل اور ارتقائی اور تعیدی طریقوں سے روشناس ہیں جو مطابقت پذیری کے لئے ضروری ہے۔ اور عورت میں مطابقت پذیری اس کے درجات بلند کرتی ہیں۔ لیکن شہناز نے اس مطابقت پذیری کے ساتھ ساتھ اپنی انفرادیت کو بھی برقرار رکھا ہوا ہے۔ شہناز مزمل کا فلسفانہ اندازِ فکر اور عقل و دانش اور جہاد کرنے کی حوصلہ مندی ان کی شاعری میں نظر آتی ہیں۔ یقیناً یہ ان کی شخصیت کا ''Projection'' ہے۔''[۱۱]

شہناز مزمل کی شاعری میں ہمیں امید اور رجائیت بہت زیادہ ملتی ہیں۔ مگر اس کے باوجود کہیں کہیں وہ اللہ تعالیٰ سے شکوہ کناں بھی نظر آتی ہیں۔

انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ کسی دکھ درد میں مبتلا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف ہی واپس لوٹ کر جاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ ہی سے درخواست کرتا ہے اور گلے شکوے بھی کرتا ہے۔ شہناز مزمل نے جب معاشرے کے حالات کو دیکھا۔ اور اس دنیا میں انسانوں کو جانا تو انہوں نے ''موم کے سائبان'' میں بھی اپنی اس کیفیت کا اظہار کیا ہے۔

لکھتی ہیں:

؎ تاپتے دھوپ الاؤ مجھے صدیاں گزریں
جلتا سورج ہی مقدر میں لکھا کیوں میرے
کیا ترے پاس یہی کچھ تھا بتا میرے لئے

ے ساری ٹھنڈک کو بہاروں کو کہیں بانٹ دیا
مجھ سی بے وقت گدا گر کے لئے کچھ نہ بچا ۱۲؎

بے ثباتی

اگر ہم شہناز مزمل کی اس کتاب میں دنیا کی بے ثباتی کے موضوع کو پرکھیں تو کا یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ شہناز نے دنیا کی بے ثباتی پر عمدہ روشنی ڈالی ہے۔ گو کہ یہ خیالات ہمیں اکثر قدیم وجدید شعرا کے ہاں جا بجا ملتے ہیں لیکن شہناز کا انداز نرالا ہے۔

اپنی نظم مٹی میں لکھتی ہیں:

مٹی لے کر ہاتھ میں اپنے
کب سے بیٹھی سوچ رہی ہوں
میں بھی مورت مٹی کی ہوں
مجھ کو ڈھالا رب نے میرے
میں یہ مٹی کیسے ڈھالوں
کوزے ڈھالوں
بابت ڈھالوں
گھر میں لگواؤں
گور بناؤں
مٹی یہ بھی
مٹی میں بھی

کیوں نہ اب میں دور کی سوچوں

مٹی کھیلوں مٹی پہنوں

اور مٹی ہو جاؤں ۱۳

ایک جگہ دنیا کی بے ثباتی کا اظہار یوں کرتی ہیں:

یہی رُت ہے بچھڑے کی نہ جانے کب بکھر جائیں

ہر اِک گزری ہوئی ساعت کو تیرے نام کر جائیں ۱۴

ایک جگہ یوں لکھتی ہیں:

؎ مسافت کی تھکن ہے ضبطِ گریہ جان لیوا ہے

چھپائے آنکھ میں آنسو نہ ہم جاں سے گزر جائیں ۱۵

مزمل شہناز نے عاشق اور محبوب کے حوالے سے بھی یہی اشعار لکھے ہیں کہ زندگی عارضی ہے اس کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا کب ختم ہو جائے اور ہم اس عارضی اور فانی دنیا سے کوچ کر جائے۔

تلاش و جستجو

شہناز مزمل کی زیادہ تر نظموں میں ''موم کے سائبان'' میں تلاش و جستجو کا عنصر پایا جاتا ہے۔ وہ ہر لمحے زندگی اور اس کی نئی حقیقتوں کی کھوج میں مصروف نظر آتی ہیں۔ پرانی چیزوں کو چھوڑ کر نئی نئی چیزوں کی تلاش اور جستجو ہمیں ان کی شاعری میں جا بجا نظر آتی ہے۔

شہناز مزمل کو ہم مسلسل تلاش و جستجو میں دیکھتے ہیں اور وہ خود شناسی کو بھی بہت اہمیت دیتی ہیں۔ اپنی نظم ''احساس کی زنجیر'' میں لکھتی ہیں۔

لمحوں سے بھرا ہاتھ میں پیمانہ لئے میں

اپنا ہی کوئی عکس یہاں ڈھونڈ رہی ہوں۔ ۱۶

شہناز مزمل اپنی نظم دمِ فیصلہ میں خود کی تلاش کو نیا رنگ دیتی ہیں۔اور کہتی ہیں کہ خود دریافتی کی منزل بہت دور ہے اور ستم یہ ہے کہ اسم اعظم سے در نہیں کھلتے یہ تو انسان کی خود شاہی اور جدوجہد اور کاوشیں ہے جو ظلم زدہ دروازوں کو کھولتی ہے۔نظم ''دمِ فیصلہ'' میں لکھتی ہیں۔

صوبِ تاریک پر کھڑی ہو کر

قُفلِ ابجد نہ کھول پاؤں میں

سامنے لمحہ معاد بھی ہے

کیوں دمِ فیصلہ ہوں لب بستہ

اسمِ اعظم سے در نہیں کھلتے

دور خود یافتی کی منزل ہے

ڈھونڈلوں اب فرار کا راستہ ۱۷

شہناز مزمل اپنی نظم ''بے نام خواہش'' میں اپنے ساتھ رہنے اور ساکت بیٹھ کر اپنے آپ کو دیکھنے کے لئے بے تاب ہیں۔اور خود سے گفتگو کرنے کی خواہش کرتی ہیں۔

لکھتی ہیں:

میں اپنے ساتھ رہنے کے لئے

بے تاب ہوں جاناں

کوئی تو وقت ایسا ہو

کہ جب ڈھلتی شُفق کی جھلملاتی ڈوبتی کرنیں

فضا کی خامشی میں سحر پھونکیں ۱۸

وہ عہدِ حاضر سے منحرف ہو کر کہتی ہیں کہ یہاں انسان اپنے آپ سے اجنبی ہوا جا رہا ہے۔اور وہ اس عہد کو ایک اجنبی

سرزمین سمجھتی ہیں۔ جو پتھروں کا ایک بھیانک شہر ہے یہاں پھول بھی بکھرے ہوئے ہیں۔ جہاں لوگ اپنے ہی حال میں مست ہیں اور اس طرح زندہ ہیں کہ تمام اقدار بھول چکے ہیں جو انسان کو اشرف المخلوق بناتی ہیں۔

شہناز مزمل اس دور خود غرضی کے دور میں اپنی ذات کو تلاش کرتی ہیں کہ اس کی ذات کہاں ہے، اور انسان کا اس دنیا میں آنے کا اصل مقصد کیا ہے جس کو انسان نے یہاں آ کر فراموش کر دیا ہے۔

شہناز مزمل خود یوں رقمطراز ہیں:

''انسان روزِ اوّل سے ہی اپنی تلاش میں سرگرداں نظر آتا ہے۔ یہ تلاش اُس پرازِ نہاں منکشف کر کے اُس کو مزید حیراں و متجسس کر دیتی ہے۔ عرفانِ ذات کی خواہش ہو یا عرفان کائنات کی جادہ عرفاں ضرور طے کرنا پڑتا ہے۔ میں بھی اسی جادۂ عرفاں کی مسافر ہوں۔ اسی دشتِ حیرت کے سفر پہ نکل کر مختلف مراحل سے گزری ہوں۔ ہر مرحلہ دوسرے مرحلے سے مختلف نظر آتا ہے۔[۱۹]

اور اپنی ایک غزل میں بھی تلاش اور جستجو کے حوالے سے لکھتی ہیں:

؎ میری طرح سے کہیں خاک چھانتا ہوگا
وہ اپنی ذات کے صحرا میں کھو گیا ہوگا[۲۰]

خودی کا درس

خودی کا احساس شہناز مزمل مزمل کی شاعری میں نمایاں نظر آتا ہے۔ وہ اپنے حوالے سے جس انسان کا تصور پیش کرتی ہیں وہ ایک مثالی انسان ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں مثالی انسان کو بلندیوں تک لے جانے کی بات کی ہے۔ اسے مقام اولیٰ تک لے جانے کی خواہش کا اظہار کیا گیا ہے اور اس کی بے پناہ قوت اور طاقت کو موضع بنایا گیا ہے۔ شہناز مزمل شاعری کا مثالی انسان اقبال کی شاعری کے مثالی انسان سے مختلف ہے۔ کیونکہ اقبال کے مثالی انسان کی طرح اس کی بلندی اور سرفرازی میں روحانیت کا عمل دخل نہیں ملتا۔

ترنم آفریں جھرنوں کے جھرمٹ میں
اترتی سرد سی ایک شام ہو جاناں

رگوں میں منجمد ہوتا لہو ہو
میں ساکت بیٹھ کر کچھ دیر
اپنے آپ کو دیکھو [۲۱]

نظم لمحہ پنہاں میں لکھتی ہیں:

حیرت آسا مری خاموش نگاہیں اکثر
ڈھونڈنے نکلی ہیں وہ لمحۂ پنہاں شہناز
بے صدائی کے کنویں سے جو نکالے مجھ کو
اور پھر قریۂ جاں کو مری روشن کر دے [۲۲]

مقصدیت

دلوں کی حرارت سے کھیلنے والی ''موم کے سائبان'' کی شاعرہ شہناز مزمل کی شاعری میں مقصدیت پائی جاتی ہے۔ انہوں نے جو بھی لکھا ایک مقصد کے تحت لکھا۔ کیونکہ انہوں نے کوئی ایسا موضوع نہیں چنا جو بے مقصد ہو بلکہ ان کے ہر ہر لفظ کے اندر ایک اصلاحی مقصد چھپا ہوا ہے۔

عرش صدیقی ''بے مثال'' فلیپ پر یوں رقمطراز ہیں:

> ''شہناز مزمل کی شاعری اردو میں بلاشبہ ایک منفرد مقام رکھتی ہے اور وہ صفِ اوّل کی شاعرات میں امتیازی شان رکھتی ہیں۔ ''موم کے سائبان'' کی غزلوں اور نظموں میں انسان دوستی کے جذبات و خیالات موجزن ہیں۔ ہر شاعر محبت کرتا ہے۔ انسانوں سے لیکن شہناز مزمل کی محبت جداگانہ نوعیت کی ہے۔ جو اُن کو انفرادیت عطا کرتی ہے۔ اُن کی محبت میں خیر خواہی اور اصلاح پائی جاتی ہے۔'' [۲۳]

شہناز مزمل نے اپنی شاعری کے ذریعے دین اور اسلام مدِ نظر رکھتے ہوئے معاشرے کی اصلاح کی ہے اور جب بھی لکھا یہی مقصد سامنے رکھ کر لکھا کہ اسلام اور اس کے احکامات زندگی کے لئے کس قدر ضروری ہیں انہوں نے مذہبی موضوعات پر

بھی بہت لکھا اور اس کے علاوہ بھی معاشرے کی اصلاح کا عنصر ان کی شاعری میں جا بجا نظر آتا ہے۔

''تجھے پر کھولنا ہوں گے'' میں لکھتی ہیں:

شبِ تاریک میں سویا ہوا چاند
آنکھیں موند کر سب دیکھتا ہے
اور دھیرے سے کہتا ہے
نہ ہو سمیاب پا جاناں
کہ یہ ظلمت کے رستے ہیں
مگر راہ جنوں میں
تیرگی سے کون ڈرتا ہے
اندھیری رات میں شبِ زاد پیکر بھی
یونہی گرتے نہیں
کہ اک ٹوٹے ہوئے تارے کی دھیمی کرن
منزل کے رستے کھول دیتی ہے [۲۴]

تصورِ عشق:

اردو غزل کا سب سے اہم موضوع عشق ہے جو عربی اور فارسی غزل سے چلتا ہوا اردو تک پہنچا ہے۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جو ہر شاعر کے ہاں پایا جاتا ہے۔ شاعری میں محبت کے بجائے عشق کا لفظ اس لیے استعمال کیا جاتا ہے کہ اس میں وسعت ہوتی ہے۔

جامع اردو لغت میں محبت کے معنی:

''پیار، لاڈ، پریم، پریت، دوستی، آشنائی، عشق اور ملاپ کے ہیں۔'' [۲۵]

پیار، لاڈ، پریم، پریت جو محبت کے لیے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ اُن کا دائرہ کار محدود دکھائی دیتا ہے جب کہ عشق میں بے حد محبت بہت زیادہ پیار وغیرہ میں شدت ظاہر ہوتی ہے۔ اُن کا دائرہ کار محبت کی نسبت بہت وسیع ہوتا ہے۔ محبت چاہت

اورلگن کی پہلی منزل ہے۔ جب کہ عشق اُس سے اگلی منزل ہے جس میں انسان حد سے گزر جاتا ہے اور یہ ایک ایسا رشتہ ہے جس سے چھٹکارا پانا ممکن نہیں ہوتا۔ ان دونوں جذبوں میں اتنی وسعت ضرور ہے کہ جب زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بات کرنی ہو تو اصطلاح عشق ومحبت استعمال کی جاتی ہیں۔

عشق کے بھی آگے سے کئی روپ ہیں مثلاً مرد اور عورت کا عشق، ماں کا بچے سے اور بچے کا ماں سے عشق یا پھر بندے کا اللہ تعالیٰ سے عشق۔ یہ ایک ایسا جذبہ ہے جو انسانی فطرت کا خاصہ ہے کوئی انسان چاہے کتنا ہی سنگ دل کیوں نہ ہو وہ اپنی فطرت کی اس حقیقت سے نابلد نہیں رہ سکتا۔

عشق ومحبت کا مضمون بظاہر فرسودہ لگتے ہے لیکن حقیقت میں اُس کی تازگی بھی ختم نہیں ہوتی۔ جس طرح انسان کی خواہشوں، تمناؤں اور دلچسپیوں میں ہمیشہ تازگی موجود رہتی ہے۔ اسی طرح عشق ومحبت کے لوازمات بھی تروتازہ رہتے ہیں۔

عشق ومحبت درحقیقت دو ہستیوں کے درمیان ایک ایسے رشتے کا نام ہے جس کی بنیاد خلوص اور صداقت پر رکھی گئی ہو اور حرص ولالچ سے آزاد ہو۔ یہ محبت بندے کی بندے سے بھی ہوتی ہے اور بندے کی اللہ تعالیٰ سے بھی ہوتی ہے۔ بندے کی اللہ سے محبت کو عشق حقیقی کا نام دیا جاتا ہے۔ جب کہ بندے کی بندے سے محبت کو عشق مجازی کا نام دیا جاتا ہے۔ اور مختلف شاعروں کے ہاں عشق حقیقی اور مجازی دو صورتیں ملتی ہیں۔

اگر محبوب کی رفاقت حاصل ہو جائے تو عشق سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں نیز عشق کے بغیر مقصد تک رسائی ناممکن ہے۔

عشق پر شاعر کا محبوب موضوع ہے لیکن ہر شاعر کے ہاں عشق کی پاکیزگی کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا گیا۔ لیکن عشق حقیقی اور مجازی ہر شاعر کے ہاں پایا جاتا ہے۔

شہناز مزمل کے شعری مجموعے ''موم کے سائبان'' میں جو عشق کا تصور ابھرتا ہے وہ مجازی عشق ہے لیکن مجازی عشق میں جنسی ہوس اور لذت پرستی کا شائبہ تک نہیں ہوتا بلکہ اُن کا عشق پاکیزہ اور محبت میں سب کچھ لٹا دینے والا ہے۔ عشق شہناز مزمل کے ہاں بہت سے استعاروں کی شکل میں استعمال ہوا ہے۔ جو درج ذیل ہیں:

مجھے بتاؤ قصور میرا
میں جانتی ہوں

کہ آگہی کا یہ گہرا ساگر

مجھے ہی آواز دے رہا ہے ۲۵الف

شہناز مزمل کے مجموعے ''موم کے سائبان'' میں استعاروں کے ذریعے خیال کی باریکیوں اور نزاکتوں کو خوبصورتی سے شعری پیکر میں ڈھال کر پیش کیا ہے۔شعری مجموعے ''موم کے سائبان'' میں عشق سے مزین اشعار میں محبوب کا جو تصور ابھرتا ہے۔اس میں؟ مذکر یا مونث ظاہر نہیں ہوتا بلکہ کہیں ''جاناں'' کا لفظ کہیں ''صنم'' کا لفظ اور کہیں ''محبوب'' کا لفظ عاشق اور محبوب کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

شہناز مزمل لکھتی ہیں:

؎ منتشر ایسا ہے شیرازہ ہستیِ جاناں
محورِ زیست بھی ملتا نہیں مجھ کو جاناں ۲۶

ایک اور جگہ شہناز مزمل لکھتی ہیں:

؎ کون سمجھے گا مری روح کے آزار کو آج
کون ہمدم مری تنہائی کا ہوگا جاناں ۲۷

ان تمام اشعار میں عاشق یا محبوب کہیں مذکر یا مونث کے صیغے میں واضح نہیں ہوتے بس عاشق یا محبوب کا ذکر مختلف حوالوں سے ملتا ہے۔

شہناز مزمل نے محبت کے لیے رنج کو بھی استعاراتی طور پر برتا ہے اور بتایا ہے کہ یہ ایک ایسا دُکھ ہے جو نہ تو بتایا جا سکتا ہے اور نہ اس دُکھ کی لذت کو گایا جا سکتا ہے۔اس حوالے سے سعد اللہ کلیم کہتے ہیں:

''عشق ایک دُکھ بھی ہے۔مگر ایک لذت بھی ہے جس کو صرف محسوس کیا جا سکتا ہے۔'' ۲۸

اس کے علاوہ اپنی نظم ''لا حاصلی کی سرزمیں'' میں بھی شہناز مزمل نے محبت کے رنج کو استعاراتی انداز میں بیان کیا ہے۔ لکھتی ہیں:

کوچہ لا حاصلی میں

اونگھتی آنکھوں کے ساتھ
بند دُھنوں کے دریچے وا کیے
منتظر ہم کس کے ہیں
کیا کوئی اُترے گا پھر سے
جگنوؤں سے پوچھنے
کتنے کم مایہ ہو تم
پر روشنی تم میں ہی ہے ۲۹

عشق کے دکھ سے لذت سے سوز و گداز کا جذبہ پیدا ہوتا ہے لیکن اس جذبے سے سرشار وہی ہوسکتا ہے جو عشق کی دنیا سے واقف ہوتا ہے۔ محبوب کی ایک روش عام ہوتی ہے کہ وہ عاشق کو نظر انداز کرتا ہے اور اُس کی محبت کو جھٹلاتا اور محبت کا جواب محبت سے دینے کی بجائے عاشق کو جلی کٹی سناتا ہے۔ اس روایتی مضمون کو شہناز نے منفرد انداز میں اس طرح بیان کیا ہے۔ اپنی نظم ''خموشی جان ہوا ہوگئی ہے'' میں لکھتی ہیں:

فضائیں اس قدر ساکت سی کیوں ہیں
کوئی نغمہ ہواؤں میں نہیں ہے
خموشی جان لیوا ہوگئی ہے ۳۰

جب عشق صادق ہوتا ہے تو اس سے عاشق اپنی ذات کی نفی کرتا ہے اور اپنا سب کچھ محبوب کے سپرد کر دیتا ہے اور اُس کی عادات بھی محبوب کے تابع ہو جاتی ہیں۔ صرف محبوب کے دل میں جگہ پانے کی آرزو اسے خود سے بیگانہ کر دیتی ہے۔

شہناز مزل لکھتی ہیں:

؎ اب کڑی دھوپ میں تنہا ہی نکلنا ہوگا
اور تنہائی کا دُکھ ساتھ ہی رکھنا ہوگا ۳۱

فسانہ محبت کی یہ قدیم روش ہے کہ محبوب کی نظر اندازی اُس کا ذلیل کرنا اور حقارت کی نظر سے دیکھنا ہی عشق کے مارے کو جینے کی امید دیتا ہے کہ اُس کا محبوب اُس کی طرف کسی طرح متوجہ تو ہوتا ہے۔

عشق اور دُکھ اداسی سزا دائمی موضوعات ہیں۔اُن سے بڑھ کر کوئی دُکھ انسان کو اتنا گھائل نہیں کرتا۔

شہناز مزمل ''موم کے سائبان'' میں لکھتی ہیں:

قطار باندھے
اتر رہے ہیں
ہر ایک خواہش کے عکس جاناں
بڑھاتے ہیں اضطراب اکثر
اتارتے ہیں عذاب اکثر ۳۲

شہناز مزمل نے اپنی اس کتاب میں دراصل ایسا عشق بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ جدید دور کے نوجوان جو محبت کے راستے پر چلتے تو ہیں لیکن اُن میں محبت اور خلوص اور قربانی کا جذبہ موجود نہیں وہ دوہری زندگی جیتے ہیں جب کہ عشق اور سچا پیار تو قربانی مانگتا ہے۔عاشق کا جینا مرنا محبوب کے لیے ہوتا ہے۔

محبت میں انسان اپنے سارے کام پسِ پشت ڈال دیتا ہے اور محبوب کے پیچھے اپنی زندگی وقف کر دیتا ہے۔عشق ایک اعلیٰ وارفع جذبہ ہے جس کے دل میں پیدا ہو جائے وہ اُسی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔

عشق میں عاشق محبوب سے ملنے کی امید اور انتظار عمر بھر کرنے کے لیی تیار رہتا ہے۔اُس کا یہ فیصلہ کوئی عارضی یا جذباتی نہیں ہوتا۔

شہناز مزمل لکھتی ہیں:

؎ بہت محال ہے خود سے تجھے جُدا کرنا
بس ایک وعدہ کبھی آ کے مل لیا کرنا
بدلتی رُت میں پریشاں کرے جو سناٹا
فضا میں کوئی پرندہ اڑا دیا کرنا ۳۳

عشق میں عاشق اپنا آپ بھول جاتا ہے اور محبوب کے خوابوں میں محو رہتا ہے۔اُس کی ایک نظر عاشق کے زندہ رہنے کی

امید بن جاتی ہے۔

اسی طرح شہناز مزمل اپنی نظم ''برزخِ احساس'' میں لکھتی ہیں:

؎ تجھ سے تجدید محبت کا تقاضا کیسا
اپنا ہر نقش مٹا کر تجھے پانا ہوگا ۳۴

محبت ایک لمبا سفر ہے اس میں بہت سے مرحلے آتے ہیں جن سے گزرنا عاشق کے لیے مشکل ہوتا ہے اور سچا عاشق اُن سے مرحلہ وار گزرتا چلا جاتا ہے۔

شاعری میں یہ روایت مستند مانی جاتی ہے کہ عشق میں نقصان اور ذلت ہی عاشق کا مقصد ٹھہرتی ہے۔ محبت میں اگر بے حساب نقصان کا سامنا نہ ہو تو اُس سے زیادہ پاکیزہ جذبہ دنیا میں موجود نہیں۔ وہ اپنی غزل میں لکھتی ہیں:

؎ ہم اپنی اناؤں کا بھرم رکھتے ہیں شہناز
ہر بات پہ طوفان اٹھایا نہیں جاتا ۳۵

چونکہ محبت میں انسان کو اپنے آپ پر کنٹرول نہیں رہتا۔ اُسے پتہ ہی نہیں چلتا کہ کب اُس کا دل محبوب کے جال میں پھنس جاتا ہے۔

شہناز مزمل کے ہاں محبت انسان اور خدا کے درمیان رابطے کی ایک شکل ہے بلکہ واحد ذریعہ ہے۔ اس لیے اُن کے سوالات کے جوابات صرف محبت کا ساغر ہی دے سکتا ہے۔

شہناز مزمل کے فن کی نمایاں پہچان یہ ہے کہ انھوں نے ہر موضوع کو زمینی حقائق کے اظہار کا وسیلہ بنایا۔ انھوں نے تصور عشق کے بیان میں عشق خوردہ اور محبوب کے جذبات کی عکاسی جس طرح سادہ اور بے باک انداز میں کی ہے قاری کو اپنی زندگی کی کہانی معلوم ہوتی ہے۔ اُن کی شاعری عشق کا موضوع بہت وسیع ہے مگر اس کے باوجود انھوں نے عشق کی کیفیت کو موضوع نہیں بنایا بلکہ جدید دور کے نوجوانوں کے مزاج کو مدنظر رکھے عشق کے موضوع کو واضح کیا ہے۔

۲۔ محبوب کی کج روی:

ہمارا معاشرہ خواہ کتنا ہی تبدیل ہو جائے اور مشینی و صارفی عہد ذہنوں کو کتنا ہی آلودہ کیوں نہ کر دے لیکن عشق کے

لوازمات ہر دور میں موجود رہتے ہیں۔عشق کی واردات انسان میں سوز تڑپ کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے اور اسی عشق کی بدولت ہر شاعر کے ہاں محبوب کے رویے سامنے آتے ہیں جو عاشق کو مغموم کرتے ہیں۔

شہناز مزمل کے شعری مجموعے ''موم کے سائبان'' میں محبوب کی بے نیازی اور کم التفاتی پر شکوہ کا اظہار ملتا ہے۔کہیں وہ محبوب کی متلون مزاجی پر تو کہیں بے نیازی پر دکھ کا اظہار کرتے ہیں۔شہناز مزمل نے عشق کی واردات کو اس کے اسرار و رموز اور محبوب کے رویے کو اس طرح دامنِ دل میں سمویا ہے کہ قاری اُس کی گہرائی کو محسوس کرتا ہے۔روایتی طور پر تو عاشق محبوب سے شکوہ نہیں کرتا بلکہ اس کی طرف سے ملنے والی ہر تکلیف کو ہنسی خوشی برداشت کرتا ہے۔اس مجموعے میں محبوب کی بے نیازی کے حوالے سے جتنے اشعار سامنے آتے ہیں۔اس میں عاشق شکوہ کرتا نظر آتا ہے اور عاشق کی واردات قلبی کی ترجمانی کا اظہار بھی ملتا ہے۔عشق کے سوز میں تڑپ کو چھپانے کا عُنصر موجود ہے۔سوز و گداز عشق کی واردات کے بنیادی لوازم ہیں۔اپنی نظم ''ریشم کی ڈور'' میں لکھتی ہیں:

اک تعلق کے لیے کیا کیا جتن میں نے کئے
ہاتھ کچھ آیا نہیں اور کچھ بھی بن پایا نہیں
ساتھ مل کے ہم نے تھامی تھی جو اک ریشم کی ڈور
وقت کے بے رحم طوفاں میں وہ ہم سے چُھٹ گئی ۳۶

محبوب کے مزاج کو سمجھنا عاشق کے بس کی بات نہیں ایک لمحے وہ عنایت کرتا ہے تو دوسرے ہی لمحے وہ اپنا رویہ بدل لیتا ہے۔شہناز اپنی غزل میں لکھتی ہیں:

میں اکثر ادھ کھلی آنکھوں سے
اپنے ہمسفر کو دیکھتی ہوں
پوچھتی ہوں؟
ذرا تم ہی بتا دو؟
دریدہ ہاتھ، چھالے پاؤں کے کہتے ہیں کیا جاناں
کہیں منزل سے آگے تو نہیں ہم تم نکل آئے ۳۷

کہیں پر محبوب امید بڑھاتا ہے تو کہیں پر مایوس کر دیتا ہے۔ یہ سب اُس کی محبوبی ادائیں ہیں جو عاشق کو تڑپانے اور ذلیل کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔

شہناز مزمل اپنی نظم ''پچھتاوا'' میں لکھتی ہیں:

؎ مجھ کو پانا تیری تھی مری خواہش نہ تھی
میں نے تو بس تیری خواہش کا کیا تھا احترام ۳۸

عشق خوردہ انسان اپنی خاموشی پریشانی اور اندرونی ہل چل کا قصوروار محبوب کو ٹھہراتا ہے۔

محبوب کی محبت میں کبھی ہنسنا تو کبھی اُس کی بے رخی پر رونا ہی عشق کی واردات ہے اور محبوب کی بے نیازی عاشق میں بے بسی کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ شہناز مزمل اپنی نظم ''شب گزیدہ'' میں لکھتی ہیں:

؎ کون سمجھے گا مری روح کے آزار کو آج
کون ہمدم مری تنہائی کا ہوگا جاناں ۳۹

محبوب عاشق کی پوری بات بھی نہیں سنتا اور اُس پر غصہ کرتا ہے۔ عاشق اپنے رویے پر شکوہ کا اظہار کرتا ہے کہ میں اُسے اپنے دل کا حال کیا بتاتا جو میری بات سنتے ہی آگ بگولہ ہو گیا۔

شہناز مزمل اپنی غزل میں عاشق کی اس کیفیت کا اظہار یوں کرتی ہیں:

مرا قرار مرا اضطراب لے جائے
کہو اُسے مرے سارے عذاب لے جائے ۴۰

شہناز مزمل کے ہاں جتنے بھی محبوب کی بے نیازی کے حوالے سے اشعار سامنے آئے ہیں۔ اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ عاشق محبوب سے اکتاہٹ یا بیزاری کا شکار نہیں ہوتا بلکہ محبوب سے وفورِ محبت کے باعث شکوہ کرتا ہے۔

محبوب کو اُس کی بے نیازی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے شہناز مزمل لکھتی ہیں۔ اپنی نظم ''لاحاصلی کی سرزمین'' لکھتی ہیں:

؎ ڈھونڈنے نکلی تھی میں درد کا درماں جاناں
راستہ پایا ہر اک شعلہ بد اماں جاناں ۴۱

محبوب کی جی حضوری کرنا عاشق کی بنیادی شرط ہے۔ عاشق چاہے محبوب کے لیے جان کی قربانی دے دے لیکن اُس کے نزدیک اُس کی بات کی کوئی بھی اہمیت نہیں ہوتی۔ وہ اُسے بھی عاشق کی چال اور فریب ہی سمجھتا ہے۔

شہناز مزمل عاشق کی اس کیفیت کو اپنی نظم ''بے کلی'' میں اس طرح بیان کرتی ہیں:

میں اس قدر مضطرب سی کیوں ہوں
یہ بے کلی میری روح میں کیوں اتر گئی ہے
میں پوچھتی ہوں
ہر اک سے جاناں
مجھے بتاؤ قصور میرا ۴۲

شہناز مزمل کے شعری مجموعے میں محبوب سے شکوہ کرتے ہوئے عاشق کہتا ہے کہ اُس نے نہ صرف رابطہ ختم کیا ہے بلکہ اُس نے اپنا راستہ بھی بدل لیا ہے یہ رویہ عاشق کے لیے نا قابلِ برداشت ہوتا ہے اور اگر محبوب التفات کرے بھی تو وہ اتنا مختصر ہوتا ہے کہ عاشق اُس لمحے کو بیان بھی نہیں کر سکتا۔

محبت میں انسان سب کچھ چھوڑنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ محبوب سے شکوہ کرتے ہوئے عاشق کہتا ہے کہ زبان منہ میں ہوتے ہوئے بھی عاشق محبوب کی عزت کی چپ سادھے ہوتا ہے اور گھر بار چھوڑ کر اس کی محبت میں در بدر پھرتا ہے۔

عاشق شکوہ کرتا ہے کہ اُس نے بہت کوشش کی کہ وہ محبوب کی اداؤں اور چالوں میں نہ آئے لیکن محبوب کی دلکش ادائیں مجھے اُس کے چُنگل سے نہیں بچا سکی۔

وہ اپنی نظم ''پچھتاوا'' میں اس کا یوں اظہار کرتی ہیں:

ظلمتِ شب سے کہہ ذرا پنی ردا سمیٹ لے
دل کا دیا تو شام سے میں نے بجھا دیا ہے آج
آتشِ شوق بجھ گئی شعلہ دل جلا ہے آج
میں نے ترے فراق کا چولا پہن لیا ہے آج ۴۳

شہناز مزمل کے ہاں محبوب کی متلون مزاجی اور بے نیازی کے باوجود اُس سے بیزاری محبوب سے محبت سے انکار نہیں بلکہ مشکلات برداشت کر کے اُسے چاہے جانے کا جذبہ موجود ہے۔ کہیں کہیں بس دل برداشتہ ہو کر شکوہ شکایت کی لہر اٹھتی ہے لیکن اُس میں بھی صرف محبوب کو اپنے رویے پر غور کرنے کے لیے اُکسانا ہوتا ہے۔

اپنی غزل میں لکھتی ہیں:

تو حجاب میں میں سراب میں ، مری زندگی ہے عذاب میں
تجھے اپنا کہنے کی چاہ میں کڑے امتحاں سے گزر گئی
کہیں پھول تھے کہیں تتلیاں ، کہیں زخم تھے کہیں بجلیاں
میں خمار میں تھی بہار کے میں ہر اک خزاں سے گزر گئی [۴۴]

۳۔خوشی اور غم کا تصور:

زندگی خوشی وغم سے عبارت ہے۔اسی طرح شاعری میں بھی خوشی وغم کی آمیزش نظر آتی ہے۔انسانی زندگی میں مسرت کے امکانات بہت محدود ہوتے ہیں۔جب کہ غم انسانی زندگی کے تانے بانے میں سمایا ہوتا ہے۔خود انسان کا وجود ہی اُسے غم سے ہمکنار کرتا ہے۔اُس کا جسم اور دماغ ہی خدائی طور پر فنا کی طرف مائل ہوتا ہے۔فطرت اُسے کوفت پہنچاتی ہے۔سماج اُسے کچوکے دیتا ہے جو انسان کے غموں کا سب سے بڑا ماخذ ہے۔

اکثر اوقات انسان کی خوشی اور ہنسی کے پیچھے بھی غم کی داستان پوشیدہ ہوتی ہے۔انسان کی فطرت بھی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ وہ غم سے نجات حاصل کر کے خوش رہنا چاہتا ہے۔لیکن غم کی داستان کو بڑی دلچسپی سے سنتا ہے۔اس کی حقیقت یہی ہے کہ انسان غم کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے۔

زندگی میں مستقل کیفیت دُکھ اور غم کی ہے۔خوشی کے لمحے بہت عارضی ہوتے ہیں۔خوشی اپنی انتہا پر پہنچ کر ایک نئے دُکھ کو جنم دیتی ہے۔اسی لیے شاعری میں بھی خوشی کی نسبت غم کا بیان زیادہ ہے۔خوشی اور غم ایک دوسرے سے لازم وملزوم ہیں۔ ہر شاعر کے ہاں زندگی کے دونوں پہلوؤں کو سمویا گیا ہے۔اور ان کی شاعری میں خوشی کی تلاش کا مرحلہ ختم نہیں ہوتا۔کیونکہ غم کا موضوع اُن کے ہاں غالب نظر آتا ہے۔ہاں البتہ غم کی نوعیت مختلف ہوسکتی ہے۔جیسے کہ غمِ جانان، غمِ روزگار، غمِ عشق انفرادی اور اجتماعی غم وغیرہ۔

اسی طرح شہناز مزمل کے مجموعے ''موم کے سائبان'' میں بھی خوشی وغم کی دورویں چلتی نظر آتی ہیں۔اُن کے ہاں بھی غم میں نشاط کا پہلو کم نظر آتا ہے۔الم، دکھ اور درد کی جس کیفیت کا بیان کثرت سے ملتا ہے وہ شہناز مزمل کے انفرادی الم اور دکھ کا بیان ہے۔جس میں انھوں نے اندر ہی اندر گُھلا دینے والے غم کی عکاسی کی ہے۔اور اس غم میں خوشی کا جو عنصر دکھائی دیتا ہے وہ دنیا کے سامنے بناوٹی خوشی کا تاثر ہے اور غم جہاں بھی ساتھ دکھائی دیتا ہے۔وہاں وہ حالات و واقعات اور زمانے کی بے حسی پر دُکھ کا اظہار بھی کرتی ہیں۔

''روحی کنجاہی'' یوں رقمطراز ہیں:

> ''شہناز مزمل انتہائی حساس اور باشعور شاعرہ ہے۔اُن کا کلام ہجر وفراق کے درد گداز اور تلاش و جستجو کے کربِ مسلسل کا آئینہ دار ہے۔شہناز مزمل کے دُکھ انتہائی گہرے ہیں۔اُن کا اظہار خوبصورت اور دل نشیں ہے۔اُن کی غزلیں اور نظمیں دلوں کے دروازوں پر دستکیں دیتی محسوس ہوتی ہیں۔''۴۵

اندرونی غم، دُکھ، الم کی کیفیت شہناز مزمل کے ہاں اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ انھیں نڈھال کر دیتی ہے۔دُکھ اور مایوسی کے اندھیرے نے انھیں گھیرا ہے کہ دن کو رات تصور کرنے لگتی ہیں۔امید کی کرن ختم ہو جاتی ہے۔اور دن بھی پھر اُن کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔مگر اس کے باوجود بھی اُن کی شاعری میں مکمل یاسیت کی فضا نہیں چھائی ہوئی۔اللہ تعالیٰ پر امید پھر بھی قائم رکھتی ہیں۔

ان تاثرات کا اظہار شہناز نے ''موم کے سائبان'' میں اس طرح کیا ہے:

چھپا کے رکھنا دھنک رنگ اپنی آنکھوں میں
خزاں کے رنگ سپردِ بہار مت کرنا
بس اپنی ذات کا رکھنا بھرم بہر صورت
کسی کو یا دلِ بے قرار مت کرنا ۴۶

یہاں غم زندگی کی حقیقت معلوم ہوتے ہیں۔سید مسعود حسین رضوی اپنی کتاب ''اردو شاعری معیارِ مسائل'' میں غم کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''غم کا اثر تمام تاثرات کا بادشاہ ہے۔ ذرا گہری نظر ڈالیے تو غم ہی خوان زندگی کا نمک بلکہ حاصلِ زندگی معلوم ہوتا ہے۔'' ۴۷

شہناز مزمل نے غم کی ناتمامی کو خوبصورت انداز میں شعروں میں ڈھالا ہے۔

ایک غم ختم نہیں ہوتا تو دوسرا غم انسان کو بے چین کر دیتا ہے غموں کا سفر اس طرح کا ہے کہ جسم سے دور ہوتا ہے تو جاں لینے کو آ جاتا ہے۔ اسی طرح اس سفر میں زندگی کا سفر ختم ہو جاتا ہے۔

ان غموں کا اظہار شہناز کے ہاں منفرد انداز میں ملتا ہے۔

ے ساتھی سارے چھوڑ گئے ہیں بیگانوں میں کھو جاؤ
دیوانوں کی بھیڑ لگی ہے دیوانوں میں کھو جاؤ
دُکھ کی آگ جو پھیل گئی تو جسم و جاں جل جائیں گے
کرب کے گہرے ساگر لے کر طوفانوں میں کھو جاؤ
بستی میں دریا کے کنارے عمر گزاری ہے شہناز
الجھو مت موجوں سے اب تم طوفانوں میں کھو جاؤ ۴۸

شہناز مزمل کے اس مجموعے میں اندر ہی اندر گُھلا دینے والے اشعار بھی اندرونی غم کی داستان کو خوبصورتی سے رقم کرتے ہیں۔ یہ اندرونی غم انسان کو گھن کی طرح کھا جاتا ہے۔ اور اُسے کھوکھلا کر دیتے ہیں۔ آج کے دور کا ہر انسان اسی طرح کے دُکھوں میں ڈوبا زندگی کو برائے نام جی رہا ہے۔ اور وہ ایک زندہ لاش بن چکا ہے۔

جب غم کی شدت حد سے بڑھ جاتی ہے تو چپ چاپ رہنے والا انسان چیخنے چلانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

شہناز مزمل اس کا اظہار یوں کرتی ہیں:

میرے دل سے دُعا نکلتی ہے
جانتی ہوں کہ وہ ستمگر ہے ۴۹

انسان دکھوں اور غموں سے بھرا ہوتا ہے۔ لیکن بعض اوقات وہ دنیا کے سامنے اپنے دکھوں کا برملا اظہار نہیں کرنا چاہتا اور

ہونٹوں پر مسکراہٹ سجالیتا ہے۔اپنی ہنسی اور قہقہوں کے پیچھے غموں کے بادلوں کو چھپا لینے کی صلاحیت کو شہناز مزمل نے لطیف انداز میں بیان کیا ہے۔

شہناز مزمل لکھتی ہیں:

کربِ تنہائی بتا تجھ کو چھپاؤں کیسے
لوٹ کر جانا بھی چاہوں تو میں جاؤں کیسے
آگ بڑھتی ہی گئی کوئی بجھانے نہ اُٹھا
کسی دریا کو نشاں اپنا بتاؤں کیسے ۵۰

جہاں ذاتی غم کی کثرت شہناز کے ہاں دکھائی دیتی ہے وہیں محبوب کا غم بھی مغموم کرتا ہے۔محبت کی داستان اور محبت کا غم انسان کو مار ڈالنے کی قوت رکھتا ہے۔

شہناز مزمل اس کا اظہار یوں کرتی ہیں:

ہر ایک خواہش کے عکس جاناں
بڑھاتے ہیں اضطراب اکثر
اتارتے ہیں عذاب اکثر ۵۱

انجانا اور اندرونی طور پر انسان کو کھا جانے کا غم سب سے خطرناک ہوتا ہے۔لیکن انسان اس غم کی حقیقت کو پہچان نہیں سکتا۔کیونکہ اُس وقت کثرتِ غم اس قدر ہوتی ہے کہ اُسے خود بھی معلوم نہیں کہ کون سا دُکھ اُسے گھائل کر رہا ہے۔وہ خود حیران ہوتا ہے کہ ایسی کیا بات ہے کہ اندر ہی اندر اُسے کھائے جا رہی ہے۔

شہناز مزمل اپنی نظم ''زندہ رہنا تو اک روایت ہے'' میں لکھتی ہیں:

زندگی کا بھی فلسفہ ہے عجیب
کچھ کسی کو سمجھ نہیں آتا

سانس چلتی ہے زندہ رہتے ہیں
سانس لینا بھی ایک عادت ہے
زندہ رہتے ہیں زندگی کے لیے
زندہ رہنا بھی اک روایت ہے ۵۲؎

اجتماعی دُکھ میں شہناز نے معاشرے، وقت اور حالات پر دکھ کا اظہار کیا ہے۔ ہر انسان آج کے دور میں دُکھ سے لبریز ہے۔ ہر دل میں دُکھ ہی دُکھ ملتا ہے۔ ایک وقت ایسا تھا جب سب کے دُکھ درد مشترکہ ہوتے تھے۔ لیکن آج بے حسی کی حد اس قدر ہے کہ ہر کوئی اپنے کام میں مگن دوسرے سے بے خبر پھرتا ہے جب کہ پہلے ہر کوئی اِن غموں کو بانٹنے کا ہنر جانتا تھا۔

انسانی زندگی میں اس طرح غم کا دور دورا ہے اس حوالے سے ''یوسف حسین'' کہتے ہیں:

''انسانی زندگی میں غم کے عناصر ایسے پیوست ہیں کہ انھیں اُس سے علیحدہ کرنا ممکن نہیں۔ خوشی اور مسرت کے گریز پا لمحوں کی یادیں جلد فراموش ہو جاتی ہیں لیکن غم کی یاد دل سے کبھی نہیں جاتی، اس کے نقوش ایسے گہرے ہوتے ہیں کہ زمانے کے ہاتھ سے بڑی مشکل سے بھرتے ہیں۔'' ۵۳؎

شہناز مزمل کے شعری مجموعے ''موم کے سائبان'' میں جہاں غم ہی غم کا بیان ملتا ہے۔ وہاں غم میں نشاط کا پہلو بھی کہیں کہیں ابھرتا دکھائی دیتا ہے۔ جو قاری کو مایوسی سے باہر نکالتا ہے اور نشاطیہ لمحوں سے بہرہ ور کرتا ہے۔

شہناز کے ہاں بھی خوشی کا عنصر محبوب کی خوشی میں پوشیدہ نظر آتا ہے جب کہ دوسرے شعرا محبوب حقیقی کے عشق میں خوشی تلاش کرتے ہیں۔ جب کہ شہناز کے ہاں مجازی عشق میں بھی خوشی کا تصور ابھرتا ہے۔

عثمانی صدیقی اپنے مضمون ''طویل مسافتوں کی شاعرہ'' میں یوں رقمطراز ہیں:

''شہناز صاحبہ کی شاعری کا محور و سوز دروں، غم پنہاں و غم دوراں ہے۔'' ۵۴؎

شہناز کے ہاں بھی روایتی مضمون کی طرح غم کی کثرت زیادہ نظر آتی ہے۔ کہیں غمِ ذات، کہیں اندرونی غم، کہیں غمِ محبوب تو کہیں اجتماعی غم جھلکتا ہے لیکن نشاط کے لمحے بہت مختصر دکھائی دیتے ہیں۔

معاشرے کی بے قدری انسان کو غم سے دوچار کر دیتی ہے ہر انسان کے دل میں کسی نہ کسی وجہ سے غم بھرا ہوا ہے۔ اور وہ اسی غموں کے بوجھ کو لیے زندگی گزار رہا ہے۔ یہی زندگی کی حقیقت ہے کہ انسان اوپر سے خوش دکھائی دیتا ہے۔ لیکن اندر سے غم

سے لبریز ہوتا ہے۔

شہناز مزمل بھی انھی غموں کا اظہار کرتی ہیں:

میں کوئی پھر سے تراشوں بت یہ ممکن ہی نہیں
زندگی تیرے لئے اک خواہشِ نایاب ہوں
شہرِ دل کو ڈوبنے سے کیا بچائے گا کوئی
وقتِ رخصت چشمِ پُر نم میں رُکا سیلاب ہوں ۵۵

شہناز مزمل کے نزدیک یہ دُکھ، مصیبتیں اور تکلیفیں پہلی بار زندگی کا حصہ نہیں ہیں۔ یہ ازل سے ہیں اور ابد تک سلسلہ چلتا رہے گا۔ یہی مصیبتوں کے پہاڑ اگر دوبارہ زندگی میں آئے ہیں تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے۔

شہناز مزمل اس دکھ کا اظہار اپنی نظم ''کہانی اپنی آگ کی'' میں یوں کرتی ہیں:

سوچ کی جھیل میں پھینک کے کنکر لہریں گنتی رہتی ہوں
اینٹوں کو توڑ کے اکثر کرچیاں چنتی رہتی ہوں
کُنجِ وحشت سے میں نکل کر صحراؤں میں بھٹک جاتی ہوں
تپتی ریت پہ ننگے پاؤں چلتے چلتے تھک جاتی ہوں ۵۶

اسی طرح اپنی ایک غزل میں یوں رقم طراز ہیں:

دشتِ نامعلوم سے معلوم کی جانب سفر
تھا کھٹن پر ہم خیالِ یار میں بڑھتے رہے
اسمِ اعظم سے بھی شہناز اب کے اتنا ہو سکا
دائرے کچھ مٹ گئے کچھ دائرے بنتے رہے ۵۷

۴۔ بے بسی:

دنیا میں ہر انسان بے بس ہے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ لیکن تمام اختیارات اُسے نہیں سونپے

بلکہ اس دنیا میں انسان اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے احکام کے مطابق زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔اسی طرح دنیاوی معاملات، حالات وواقعات میں انسان بعض جگہوں پر مجبوراور بے بس ہوجاتا ہے۔

شاعر چونکہ حساس طبیعت کا مالک ہوتا ہے۔ وہ اس بے کسی کو زیادہ شدت سے محسوس کرتا ہے جس کا اظہار اُس کی شاعری میں ہوتا ہے کوئی بھی شاعر یا شاعرات خواہ وہ کلاسیک دور سے تعلق رکھتی ہوں یا جدید دور سے اور کتنی ہی رجائیت پسند کیوں نہ ہو حالات کی تلخیوں اور مسائل انھیں بے بس کر دیتے ہیں۔ادب حالات وواقعات کا آئینہ دار ہوتا ہے۔شاعر کہیں سے بھی مواد حاصل کرسکتا ہے۔معاشرے کی بدحالی ہو عذر کے حالات سے فضا سوگوار ہو۔غریب طبقے کا استحصال ہو یا امیروں کی شان وشوکت والی زندگی ہو یہ ایسے موضوعات ہیں جو شاعر کو دُکھ کی دنیا میں لے جاتے ہیں اور وہ اُن کی ہر بے بسی کا اظہار کرتا ہے۔

ہر شاعر کے ہاں بے بسی کے متنوع عناصر ہوتے ہیں۔اور وہ جو اُن کی شاعری میں محبت میں ناکامی کا دُکھ، عاشق کی بے بسی، مجبوری اور لاچاری کا رنگ بن کر ابھرتا ہے۔

شہناز مزمل صاحبہ اپنی نظم ''رتجگوں کی مسافت'' میں لکھتی ہیں:

بہت لمبی مسافت
رتجگوں کی میں نے کاٹی ہے
کسی بھی پُرسکون ساعت کا
کوئی بھی حسیں لمحہ
مری بے خواب آنکھوں میں اُتر آئے
کہ آب تو
ضبطِ گریہ جان لیوا ہوتا جاتا ہے ۵۸؎

شہناز یوں تو بہت رجائیت پسند شاعرہ ہیں لیکن وقت حالات اور محبوب کے سامنے وہ بھی بے بس دکھائی دیتی ہے۔اُن کے شعری مجموعے ''موم کے سائبان'' میں بہت سے اشعار ایسے دکھائی دیتے ہیں جو بے بسی کی داستان پیش کرتے ہیں۔

شہناز مزمل نے سماجی ناانصافیوں میں خود کو حالات کے سامنے مجبور اور انفرادی مجبوری میں خود کو محبوب کی محبت سے نہ

نکالنے کی بے بسی اور محبت کی مجبوریوں کو شعری جامہ پہنایا ہے۔

شہناز مزمل اپنی نظم ''جرمِ آگہی'' میں لکھتی ہیں:

بے ارادہ نیم جاں سرگوشیاں کرتی رہوں
جب کسک زخموں کی خود ہی
پھر چبھن دینے لگے
اپنے ہی ہاتھوں سے
ہر اک زخم کو گہرا کروں ۵۹

دل کے ہاتھوں مجبور انسان کی کوشش ناکام رہتی ہے۔ وہ محبوب سے دور جانے کی کوشش کرتا ہے لیکن بے خودی میں پھر اُس کے گرد بیٹھ جاتا ہے۔

اپنی غزل میں لکھتی ہیں:

؎ کون سی سمت لئے جاتا ہے طوفاں مجھ کو
ڈھونڈنے والے کہاں ہوں میں بتاؤں کسے ۶۰

ایک غزل اپنی بے بسی کا اظہار کیوں کرتی ہیں:

؎ مسافت کی تھکن اس لوٹنے والے سے مت پوچھو
جسے ساحل دکھا کر پھر سمندر میں اتارا ہو ۶۱

محبت میں بے بسی کا عالم یہ ہے کہ محبوب کو اُس سے کی گئی محبت کو بیان کرنے کے لیے الفاظ کی کمی انسان کو حیران کر دیتی ہے کہ اِس جذبے کو کیا نام دیا جائے۔ زمانے کے حالات اور محبت کی مجبوریاں انسان کو بے بسی کے اُس گہرے جنگل میں لے جاتی ہیں جہاں اندھیرا ہی نظر آتا ہے اور انسان بُرے حالات سے نکلنے کی کوشش بھی ترک کر دیتا اور محبوب کی بے رخی کا رویہ بے بسی کا باعث بنتا ہے۔

محبت میں انسان کو محبوب کے علاوہ کچھ اور دکھائی نہیں دیتا۔ فطرت کا حسن اور دنیا کی رنگینی اُس کے لیے بے معنی ہو

جاتی ہے۔

شہناز مزمل اپنی نظم ''پچھتاوا'' میں اس کا یوں اظہار کرتی ہیں:

ے ناطہ مجھ سے توڑ کر تونے بہت اچھا کیا
پھیر لیں نظریں بھی مجھ سے یہ بہت اچھا کیا
منتظر آنکھوں سے اب میں چھین لوں گی سارے خواب
اشک میں کیسے سمیٹوں ہو گئی ہوں لا جواب
بھولنے والے سے کہہ دو یاد بھی آئے نہ اب
اور تخیل میں کبھی صورت بھی دکھلائے نہ اب
میں اکیلی ٹھیک ہوں زخموں سے کر لوں گی حساب
منتشر اس ذہن کو دے لوں گی میں خود ہی جواب ۶۲

محبت کا بھرم رکھنے کے لیے عاشق اپنے جذبات ظاہر ہونے سے بچاتا ہے لیکن وقت کے ساتھ محبت کی شدت اُسے اپنے جذبے کے اظہار کے لیے مجبور کرتی ہے۔ آج کے دور میں انسان اس بے حس دنیا کی وجہ سے داخلی کرب میں مبتلا دکھائی دیتا ہے۔ زمانے کی بے حسی اور منافقت انسان کو اندرونی طور پر شکستہ کر چکی ہے۔ جس کے باعث وہ کسی پر یقین اور گمان کرنے سے بھی قاصر ہے اور اس دنیا میں بے سہارا انسان بے بسی کے عالم میں مبتلا دکھائی دیتا ہے۔

شہناز مزمل اس کا اظہار یوں کرتی ہیں:

ے گھیرے رکھتا ہے مجھے کرب مسلسل کا حصار
غم دوراں غمِ جاناں سے شناسائی ہے ۶۳
سماعتوں پر ہیں دستکیں سی یہ کون مجھ کو بُلا رہا ہے
مرے ہی رستے میں سازشوں کی کھڑی یہ دیوار کس لیے ہے ۶۴

حالات وواقعات کے سامنے انسان اس قدر مجبور ہو جاتا ہے کہ اپنی آنکھوں کو بند کرنے پر بے بس ہو جاتا ہے۔ اندر کی بے بسی انسان کو ناکس کر دیتی ہے۔ جب انسان حالات کے سامنے مجبور اور بے بس ہو جاتا ہے تو وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حوالے

کر کے چھوڑ دیتا ہے کہ اب اُس کے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔

معاشرے کی بے حسی اس قدر ہے کہ انسان ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے دوری محسوس کرتا ہے۔محبوب کی محبت جب عاشق کو نصیب نہیں ہوتی تو وہ بے بسی کا شکار ہو جاتا ہے۔

عاشق کی بے بسی کو شہناز مزمل نے ایک منفرد اور نئے انداز سے بیان کیا ہے۔

؎ جو بکھرنا ہو تو موجوں میں بنا لیتے ہیں گھر
آبگینے ٹوٹ کر ساحل سے ٹکراتے نہیں [۶۵]

محبت میں انسان کو محبوب کے علاوہ کچھ اور دکھائی نہیں دیتا فطرت کا حسن اور دنیا کی رنگینی اُس کے لیے بے معنی ہو جاتی ہے۔محبت کا بھرم رکھنے کے لیے عاشق اپنے جذبات کو ظاہر ہونے سے بچاتا ہے لیکن وقت کے ساتھ محبت کی شدت اُسے جذبے کے اظہار کے لیے مجبور کرتی ہے اور عاشق محبوب تک پہنچنے کے لیے راستے میں حائل دیوار کو پھلانگ کر گزر جاتے ہیں۔

شہناز مزمل اپنے شعری مجموعے میں یوں عاشق کے غم کی عکاسی کرتی ہیں:

؎ کتنا گہرا تھا زخم چھوڑو بات
زخم تھا زخم بھر گیا ہو گا
جیتی بازی بھی ہار جائیں گے
مدتوں تک یہ سلسلہ ہو گا [۶۶]

یہ ہمہ گیر اُداسی انسان کو کہیں بھی مطمئن اور خوش نہیں رہنے دیتی۔انسان کہیں بھی چلا جائے اُس کا دل آباد نہیں ہوتا۔ انسان بے بس ہوتا ہے۔حالات و واقعات کے سامنے انسان اس قدر مجبور ہو جاتا ہے کہ اپنی آنکھوں کو بند کرنے پر بے بس ہو جاتا ہے اور اندر کی بے بسی انسان کو ناکس کر دیتی ہے۔

جب انسان حالات کے سامنے مجبور اور بے بس ہو جاتا ہے تو وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر کے چھوڑ دیتا ہے کہ اب اُس کے اختیار میں کچھ نہیں۔

خواہشات:

شہناز مزمل کی شاعری بے نام حسرتوں اور خواہشات سے بھری پڑی ہے۔ جس طرح تمام شعراء زیادہ تر شاعری تب ہی کرتے ہیں جب کوئی چیز کی کمی اُن کو زندگی میں شدت سے محسوس ہوتی ہے تو وہ اپنے جذبات اور احساسات کا اظہار اپنی شاعری کے ذریعے کرتے ہیں۔ شاعری چونکہ انسانی جذبات کی عکاسی کا نام ہے اور جب انسان اپنے جذبات کا اظہار اپنے قلم کے ذریعے کر لیتا ہے تو اس کے دل و دماغ کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔

شہناز مزمل نے بھی اپنے شعری مجموعے موم کے سائبان میں بہت سی ادھوری حسرتوں اور نا کام خواہشات کا بیان کیا۔ اپنی نظم ''کسک'' میں لکھتی ہیں:

؎ میرے دل میں کسی گزارے ہوئے لمحے کی کسک
جانے کیوں آنکھ کی پُتلی میں اُتر آئی ہے
ہر گھڑی گھٹتی ہوئی قوتِ گویائی کو
کوئی جذبہ کوئی احساس ہی بخشا جائے

۶۷

شہناز مزمل کی شاعری میں جہاں ہمیں نا کام حسرتوں کی جھلک نظر آتی ہے۔ جس کا اظہار انھوں نے اپنے لفظوں کے ذریعے ''موم کے سائبان'' میں کیا ہے کیونکہ جب تک انسان اپنی نا کام حسرتوں کا رونا نہیں رو لیتا اسے کسی پل چین میسر نہیں ہوتا۔ ایسے ہی شاعر حضرات تو عام معاشرے کے انسانوں کی نسبت حساس دل لوگ ہوتے ہیں۔ اپنی نظم ''خواہشِ نادیدہ'' میں لکھتی ہیں:

؎ اے مری خواہش نادیدہ ذرا دیر ٹھہر
لفظ مرہم ہیں مری روح کے گھاؤ کے لیے
زخم گہرے ہیں ذرا ان کو تو بھر جانے دے
کچھ سمے اور یونہی اور گزر جانے دے
وقت کے دھارے کو کچھ دیر ٹھہر جانے دے

۶۸

کہیں محبوب سے ملنے کی حسرت نظر آتی ہے تو کہیں کسی خواہش کے پورا نہ ہونے کی کسک ملتی ہے کہ کاش ایسا ہو جائے

اور کہیں دل کی دنیا ویران ہونے کی وجہ سے وہاں سے ادھوری اور نا کام حسرتوں کا دھواں نکلتا نظر آتا ہے۔

اپنی نظم ''الکھ نگری'' میں لکھتی ہیں:

تشنہ لب ان پتھروں کی پیاس کو تھوڑا سا کم کر دوں
کبھی ایسا بھی ہو شاید
کسی پتھر کے دل سے ٹوٹ کر ایسی دُعا نکلے
جو میرے جذب کو میرے جنوں کو
وحشتوں کی آگ سے بھڑکے آلاؤ کو
نیا اک رنگ بخشے اور
دعاؤں کا حسیں منظر
مقدر کی ہر ایک دشوار رہ آسان کر جائے [۶۹]

مختلف علاقوں کے ذریعے اور مختلف انداز سے شہناز مزمل نے زندگی میں نا پوری ہونے والی ادھوری خواہشات کا اظہار کیا ہے۔ زندگی ویسے بھی ادھوری خواہشوں اور نا کام حسرتوں کا نام ہے۔ زندگی میں ہر خواہش کا پورا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ ہر انسان کے دل میں زندگی میں کہیں نہ کہیں کچھ نا کام حسرت ادھوری خواہش کی شکل میں ضرور ہوتی ہے۔ ایک غزل میں لکھتی ہیں:

آبلہ پا زندگی کو یوں بسر کرتے رہے
خار چُن کر راستوں کو رہ گزر کرتے رہے
کچھ ہجومِ شوق میں ہم کو نظر آیا نہیں
شعلہ دل کو جلا کر ہم شرر کرتے رہے [۷۰]

انسان کو جب دُکھ چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں اور اُس کو دنیا میں بھی کوئی سچا ساتھی نہیں ملتا ویسے بھی دنیا والے تو شروع سے ہی اچھے حالات میں ساتھ چلتے ہیں لوگ برے حالات میں لوگ اپنا رنگ دکھا کر چھوڑ جاتے ہیں واحد خدا کی ذات ہے انسان کے ساتھ ہر بُرے اور اچھے حالات میں رہتی ہے۔

پھر انسان گلہ شکوہ بھی وہاں کرتا ہے جہاں کوئی امید ہوتی ہے جہاں کوئی مان ہوتا ہے۔شہناز مزمل بھی اپنی غزل میں لکھتی ہیں:

غم مجھ سے کسی طور سمیٹا نہیں جاتا
پہرا ہے میری سوچ پہ بولا نہیں جاتا [۱]

جب انسان پر بُرا وقت آتا ہے تب اُسے احساس ہوتا ہے کہ شاید اُس نے اپنی زندگی میں خدا کے احکامات کی نافرمانی کر دی ہے یا پھر اُس کا خدا اس سے روٹھا ہو جو اُس پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں کیونکہ خدا کی ذات کے سوا تو انسان کا سچا سہارا ویسے بھی اس فانی دنیا میں کوئی نہیں ہوتا۔شہناز مزمل لکھتی ہیں:

سہمی ہوئی ہے چاندنی کیسے کہوں میں دل کی بات
روٹھی ہوئی بہار ہے روٹھا ہوا خدا ہے آج [۲]

۱۳۔معاشرتی مسائل:

شہناز مزمل نے اپنی پوری شاعری معاشرتی مسائل اور معاشرے کو بیان کیا ہے۔شاعر چونکہ حساس دل ہوتے ہیں اس لیے وہ معاشرے کو حساس نظر سے دیکھتے ہیں اور معاشرے کے مسائل اور دُکھوں کا اثر اُن پر عام آدمی کی ذات سے زیادہ ہوتا ہے۔

شہناز مزمل اپنے شعری مجموعے ''موم کے سائبان'' میں معاشرے کی بے حسی فرد کی تنہائی اور عدم تحفظ کو بیان کرتی ہیں کہ فرد کس طرح اپنے جرمِ آگہی کی بناء پر عذاب میں مبتلا رہتا ہے لیکن وہ آگہی حاصل ہونے کے بعد اپنے سفر کو جاری رکھنے کا حوصلہ اور عزم رکھتی ہیں۔

اپنی نظم ''کڑی سزا'' میں لکھتی ہیں:

جُرمِ الفت پہ بگڑتے ہوئے لوگو سوچو
جُرمِ الفت ہی تو تعزیرِ جہاں بانی ہے
کون سے دیس سے میں آ کے یہاں ٹھہری ہوں
کون مقصود مرا کون مری منزل ہے

لذتِ رزق نے جنت سے نکالا مجھ کو
اور کلرنگ عذابوں میں ہے ڈالا مجھ کو ۳ے

شہناز مزمل موجودہ معاشرہ کو لاحاصلی کی سرزمین قرار دیتی ہے جس میں چاروں طرف تیرگی ہے۔لیکن وہ یہ یقین رکھتی ہیں کہ روشنی کی کرن انسان کے اندر سے ہی پھوٹے گی اور جو اس معاشرے کی تیرگی کو ختم کر دے گی۔

اپنی نظم ''کڑی سزا'' میں اسی لیے ہی وہ ہبوطِ آدم کی کہانی کو نئے روپ میں پیش کرتی ہیں۔اور خدا سے گلہ کرتی ہیں کہ اُس نے انسان کو جنت سے نکال کر اس دنیا میں کیوں بھیجا جہاں ہر طرف دکھ ہی دُکھ اور مسائل سے دنیا بھری پڑی ہے۔ جہاں انسان کی زندگی کا کوئی محور متعین نہیں۔انسان ٹکڑوں میں بٹ گیا ہے اور انسان ایک ذلت میں قید ہے۔وہ بڑے دُکھ بھرے لہجے میں کہتی ہیں:

کتنے شداد یہاں کتنے ہیں منصور یہاں
کتنے ٹکڑوں میں بٹا جاتا ہے انسان یہاں
مجھ سے فردوسِ بریں چھین کے دنیا بخشی
مجھ کو کیوں حکمِ سفر دے کے نکالا تونے
مجھ کو صد رنگ جھیلوں میں ہے ڈالا تونے
اے خدا ، اتنی سزا ، اتنی سزا ، اتنی سزا
مجھ سے کٹتی نہیں دنیا کے خداؤں سے بچا
ے۴

شہناز مزمل نے جب اس دنیا میں نفسانفسی کا دور دیکھا اور محسوس کیا اپنی شاعری میں اُس دکھ اور کرب کا اظہار کیا انھوں نے ''موم کے سائبان'' میں ہی بہت نظموں میں معاشرتی مسائل پر قلم اٹھایا ہے کہ آج لوگوں کو اس دنیا میں کیا کیا معاشرتی مسائل درپیش ہیں۔

انھوں نے آپ بیتی میں جگ بیتی مدغم کر دی ہے۔ بظاہر وہ اپنے دُکھ کی بات کرتی ہیں۔لیکن باطن میں اُن کا دُکھ کرب رنج وغم سارے معاشرے کا رنج والم ہیں۔

شہزاد احمد اپنے مضمون (جذب وحروف) میں لکھتے ہیں:

''شہناز مزمل نے زندگی اور کتاب دونوں کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھا ہے۔اس کا عملی ثبوت اُن کی شاعری میں ہے۔ جو ہمارے اردگرد پھیلے ہوئے مسائل سے بہت گہرا تعلق رکھتی ہے۔ جذباتی سطح پر یہ شاعری معصوم اور خاموش جذبوں کا اظہار ہے۔انھوں نے دھیمے لفظوں میں اپنے دل کی بات کہی ہے اور کبھی بلند آہنگ وعدے نہیں کیے۔ یہی مدھم مدھم لہجہ اُن کا اسلوبِ خاص ہے۔

دراصل ہر حساس مفکر تمام خارجی مظاہر کو اپنی ذات ہی کے حوالے سے دیکھتا اور پرکھتا ہے۔۵ے

شہناز مزمل کی شاعری بیک وقت حالاتِ حاضرہ کی ترجمان بھی ہے اور عصری تقاضوں کو بھی پورا کرتی ہے۔

اپنی نظم ''جینے کا حوصلہ دے دو'' میں لکھتی ہیں:

کیسے یکجا کروں وجود کو میں
بتکدہ دل کو ہو گیا ویراں
کس خدا کی میں آج بات کروں
زندگی کی حرارتوں کے لیے
کوئی پتھر کا دیوتا بھی نہیں
دل کے مندر میں گھنٹیاں باندھو
کعبۂ دل میں اب اذاں بھی دو
کچھ کرو آج تم خدا کے لیے
مجھ کو جینے کا حوصلہ دے دو ۶ے

شہناز مزمل کی آواز جنسِ لطیف ہونے کے ناطے نسوانی ہے لیکن بے معنی نہیں جتنا زیادہ وہ معاشرے اور معاشرے میں لوگوں کو درپیش مسائل پر لکھ سکتی تھیں انھوں نے لکھا ہے۔لیکن اُن کی آواز میں محبت ہے درد ہے مجبوری ہے دُکھ ہے مگر کوئی بے بسی یا ناامیدی نہیں ہے۔

شہناز نے زمانے بھر کے دکھوں کو ذاتی دُکھ سمجھ کر اپنی شاعری میں سجایا ہے۔کربِ انسان کا یہ اظہار انسان کو یاسیت/ مایوسی سے آشنا نہیں کرتا بلکہ سماج اور حالات کے خلاف جدوجہد کرنے پر اُکساتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اُن کی شاعری پر دُکھی انسان

کے دل کی دھڑکن بن گئی ہے۔

اپنی ایک نظم میں معاشرے کے دُکھ کو محسوس کرتے ہوئے کہ آج کل لوگ کس قدر خود غرض ہو گئے ہیں اس کا اظہار کرتی ہیں:

سب ہیں الجھے اک طلسمی جال میں
مست ہے ہر اک اپنے حال میں
خوب ہے ان کا طریقِ زندگی
بھول بیٹھے ہیں سبھی اقدار ہم
پھول پتوں کے مشینی شہر میں ۷۷

شاعر معاشرے کا حساس فرد ہوتا ہے۔ شہناز مزمل نے بھی اپنے اردگرد ہونے والے واقعات کو نظم کیا ہے۔ اُن کے ہاں معاشرتی موضوعات کو نہایت عمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔ اُن کا عہد ایک پُر آشوب عہد ہے۔ اس لیے اپنے عہد کے پُر آشوب پر اُن کی نگاہ ہے۔ شاعر اپنے اردگرد وقوع پذیر ہونے والے واقعات سے آنکھ بند نہیں کر سکتا۔ وہ معاشرے کا حصہ ہوتا ہے اور معاشرے میں ہونے والی تبدیلی ہر واقعے اور سانحے پر اُس کی نگاہ ہوتی ہے۔

شہناز مزمل صاحبہ وہ لکھتیں ہیں۔ اپنی نظم ''دائروں کے درمیان بنتا شہر''

ان کے ہاتھوں میں یہ کیا ہے؟
کوئی تیشہ ہے، قلم ہے یا کوئی تلوار ہے!
سب کے سب خود کاتبِ تقدیر بننے کے لیے
جُنبش ہیں
کیا وہ ضربِ تیشہ ہے
یا کاٹ ہے تلوار کی
اس فضا کو اس زمیں کو
اور اس شہر سکوں کی خامشی کو

توڑ دینے پر تُلے بیٹھے ہیں آج ۸ے

اپنے مجموعے ''موم کے سائبان'' میں شہناز مزمل مزمل نے صرف عشق و محبت کی ہی شاعری نہیں کی بلکہ سماجی اور معاشری عوامل پر بھی بات کی ہے۔ اُن کے ہاں بہت سے سماجی موضوعات ملتے ہیں۔ مختلف سماجی موضوعات کے حوالے سے اپنی شاعری میں انھوں نے بے باک انداز میں گفتگو کی ہے۔ لیکن شاعری میں اُن موضوعات پر بات کرنے کے لیے کہیں رمز و ایما کا سہارا لیا ہے تو کہیں طنز و مزاح کے انداز میں معاشرے کی سماجی برائیوں پر چوٹ کی ہے۔ شہناز مزمل نے ''موم کے سائبان'' میں نہ صرف سماجی برائیوں پر بات کی ہے بلکہ حکومت اور سسٹم پر بھی نکتہ چینیاں کی ہیں۔ سیاسی اور سماجی عوامل پر بھی اُن کی گہری نظر ہے۔ شہناز مزمل نے ایک حساس فرد کی حیثیت سے معاشرے میں موجود انسانوں کے غلط رویوں، منافقت، خود غرضی، بے فیضی اور بے حسی کو اشعار میں سادہ انداز میں بیان کیا ہے۔

اپنی نظم (حسرتوں کی قتل گہ) میں لکھتی ہیں:

مری نگہ کا یہ سانحہ ہے
کہ سامنے میرے قتل گہ ہے
بہت سے بے ننگ و نام لاشے
یہاں پڑے ہیں
ہو کیسے پہچان
کونسی ہے؟
مری تمنا کی لاش اس میں!! ۹ے

اسی طرح معاشرے کے مسائل کو دیکھتے ہوئے اور لوگوں کے بے حس رویوں کو دیکھ کر شہناز مزمل نے جو درد محسوس کیا کہ معاشرہ کس طرح تباہی کی طرف جا رہا ہے۔ اُس کا اظہار اپنی شاعری میں یوں کرتی ہیں۔

طلسمِ جان کے عذاب سہنے تھے گر یہاں پر
تو ایسی صورت نہیں تھی ممکن
کہ کوچہ دائمی کے باسی

مقیم رہتے قریب تیرے
فگار ہاتھوں سے کیا لکھوں میں
فگار دل ہے فگار آنکھیں
فگار ہے کائنات ساری ۸۰

اسی طرح اپنی ایک غزل میں یوں معاشرتی غم کا اظہار کرتی ہیں:

؎ زمانہ سازوں کے تیز تیشوں سے آئینے دل کے ٹوٹتے ہیں
فضا میں پھیلی ہیں سسکیاں تو ہوا یہ بیزار کس لئے ہے ۸۱

انسان کے مختلف روپ:

انسان کی فطرت رنگا رنگی کی عکاس ہے۔ایک چیز ایک لمحے انسان پسند کرتا ہے تو دوسرے لمحے اُس کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے کبھی لمبی زندگی کی خواہش کرتا ہے تو کبھی فوری موت کی تمنا کرنے لگتا ہے۔کبھی حد سے زیادہ انکسار پسند ظاہر ہوتا ہے تو اگلے ہی لمحے غرور کا عنصر اُمڈ آتا ہے۔ یہ متضاد حالتیں ہر انسان میں پائی جاتی ہیں۔لیکن وہ اُن کو بیان نہیں کرسکتا جب کہ شاعر کا کلام اُس کی قلبی کیفیات کا ترجمان ہوتا ہے۔کیونکہ شاعر کی نظر بہت باریک بین ہوتی ہے۔احساس بہت نازک اور لطیف ہوتے ہیں جو بہت جلد بھڑک اٹھتے ہیں۔اور اُس کے اندر ہل چل پیدا کر دیتے ہیں تو شاعر اُن کا اظہار تحریری طور پر کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔کسی بھی شاعر کے ہاں ایک ہی کیفیت نہ ہونے کی وجہ ذہنی اور جذباتی کشمکش بھی ہوتی ہے۔شہناز مزمل نے بھی معاشرے کی اس حالت کو اور انسانوں کے جذبات و احساسات کو محسوس کیا اور اُن کو اپنی کتاب ''موم کے سائبان'' میں بیان کیا ہے کہ آج کل کس طرح لوگ دوہری زندگی گزار رہے ہیں۔

اپنی نظم ''اصلی چہرے پہ نیا چہرہ'' میں لکھتی ہیں:

؎ جب بناتی ہوں تمناؤں کا مدفن کوئی
خوب ہنستی ہوں میں خود اپنی ہی بربادی پر
دن تو کٹ جاتا ہے ہر درد پہ ہنستے ہنستے
اصلی چہرے پہ نیا چہرہ سجا لیتی ہوں ۸۲

شہناز مزمل کے ان اشعار کو پڑھ کر واضح ہو جاتا ہے کہ آج کس طرح لوگ دوغلے پن سے جی رہے ہیں۔ اندر سے ٹوٹے ہوئے انسان کس طرح خوش ہونے کا ڈرامہ کرتے ہیں۔

اور انسانوں کے ساتھ ساتھ کس طرح معاشرہ کھوکھلا ہوتا جا رہا ہے لوگ کھوکھلی اور دوغلی زندگی گزار رہے ہیں۔ انسانوں کے رویے مختلف ہیں اُن کے ظاہر و باطن کے تضاد کو دراصل ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

جب دل کی متضاد کیفیتیں سامنے آتی ہیں تو انسان کی طبیعت قابو سے باہر ہو جاتی ہے اور لہجہ بدل جاتا ہے اور ہر چیز دوسری چیز سے مختلف ہوتی ہے۔

شہناز مزمل لکھتی ہیں:

؎ ہنستے ہنستے جو ستارے سرِ مژگاں چمکے
گوشۂ چشم میں چھپ چھپا کہتی ہوں
ضبطِ گریہ کا سلیقہ بھی یہاں سیکھا ہے
غم میں ہنسنے کا قرینہ بھی مجھے آ ہی گیا [۸۳]

دل کی دنیا بھی رنگ برنگی ہوتی ہے ظاہری دنیا بھی ہمیشہ ایک سی نہیں رہتی۔ کبھی انسان مجبور ہوتا ہے تو کبھی جابر بن جاتا ہے جب انسان اپنے محبوب سے بے انتہا محبت کرتا ہے لیکن اس کے باوجود بیزاری کا شکار رہتا ہے۔ اُس کی طبیعت میں سکون نہیں رہتا۔ نظم ''بے کلی'' میں شہناز مزمل لکھتی ہیں:

؎ میں تھوڑی دیر سونا چاہوں
گرا کے چلمن کو رونا چاہوں
نہ سو سکوں میں نہ رو سکوں
تمھیں بتاؤ کدھر میں جاؤں
سکون آخر کہاں میں پاؤں [۸۴]

اکثر اشعار کسی مقصد، اصول یا فلسفے کے تحت نہیں لکھتے جاتے بلکہ جذبات کا اظہار ہوتے ہیں۔ شہناز مزمل نے شاعری

کو جذبات و احساسات کا وسیلہ سمجھا اور انسانی رویے کے دو رُخ دکھائے ہیں۔ اپنی طبیعت پر انسان قابو نہیں رکھ پاتا اور زندگی کے اصولوں سے کبھی کنارا کر لیتا ہے۔ اس طرح دو متضاد رویے ایک شخص کے ظاہر ہوتے ہیں۔

اور یہ بھی ایک المیہ ہے کہ انسان کی اندرونی حالت کچھ اور ہوتی ہے اور باہر سے کچھ اور خود کو ظاہر کرتا ہے۔ انسان کے ظاہر اور باطن میں تضاد پایا جاتا ہے۔ کیونکہ انسان کا مزاج اور رویے وقت کے ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ یہی فطرت کی حقیقت ہے کبھی کسی چیز کے لیے بیزاری انسان کے رویے سے ظاہر ہوتی ہے تو بعد میں اُس پر نظر ثانی کا رویہ نظر آتا ہے۔

شہناز مزمل لکھتی ہیں:

؎ سوچتی ہوں کہ وہی میں ہوں وہی دنیا ہے
ہے سبھی کچھ تو وہی دن کے اجالوں کے سوا
خول جو صبح تھا ، چپکے سے ہٹا دیتی ہوں
اصلی چہرہ نئے چہرے پہ لگا لیتی ہوں [۸۵]

شہناز مزمل نے اپنی شاعری کے ذریعے شخصیت کے دوہرے پن اور ظاہری اور باطنی کیفیت کو بیان کیا ہے۔ انسان کے رویے اور مزاج گلگٹ کی طرح رنگ بدلتے ہیں۔ دل کے جذبات عقل کی پیروی کرنے سے انکار کرتے ہیں کیونکہ عقل اور دل دونوں متضاد کیفیتیں ہیں اور اس متضاد کیفیت کو شہناز مزمل نے سادگی سے بیان کیا ہے۔ لکھتی ہیں:

؎ چند گھڑیاں جو مجھے ملتی ہیں تنہائی کی
وہی لمحے تو صرف مرے اپنے ہیں [۸۶]

تانیثیت:

شہناز مزمل کے لہجے میں مکمل نسوانیت پائی جاتی ہے۔ ادب بے شک ادب ہی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں مگر شہناز مزمل کے شعری مجموعے ''موم کے سائبان'' کو پڑھتے ہوئے یہ احساس ہوتا ہے کہ شہناز مزمل کا اندازِ شعر گوئی اور لب و لہجہ نسوانی لب و لہجہ ہے۔ شہناز مزمل کے ہاں بھی زبان و بیان کی وہ نرمی و ملائمت ملتی ہیں جو عورت سے مخصوص ہے۔ اور جو اُن کی ایک خاص شناخت اور پہچان بھی ہے۔

شہناز مزمل کی شاعری کو عورت کی شاعری اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ اس میں آزادی نسواں کا پروپیگنڈہ ملتا ہے بلکہ اس لیے بھی کہ اُن کے قلم سے نکلنے والے نرم و گداز لفظ اسے نسائی سوچ کا حامل بناتے ہیں۔ شہناز صاحبہ کا قلم نہ تو فہمیدہ ریاض کی طرح بے باک قلم ہے نہ پروین شاکر کی طرح ٹین ایجر کے رومان کے چنچل رنگوں میں رنگا ہوا ہے۔ اور نہ کشور ناہید کی طرح حقوق نسواں کے نعروں کو چھوڑتا ہے بلکہ اُن کے قلم میں ادا جعفری کا تقدس نظر آتا ہے۔ ۸۷

شبیر قادری اپنے مضمون ''شہناز کا انداز'' میں یوں رقمطراز ہیں:

> شہناز کا اندازِ شعر گوئی اور لب ولہجہ نسوانی لب ولہجہ ہے۔ شہناز مزمل کے ہاں مجھے زبان و بیان کی وہ نرمی ملائمت اور کومل ملتا ہے۔ جو عورت سے مخصوص ہے اور اس کی شناخت اور پہچان بھی۔ ۸۷

شہناز مزمل جو کہ خود ایک عورت ہیں اور اُنھوں نے عورت کے جذبات و احساسات کو بہت قریب سے دیکھا اور محسوس کیا۔ وہ بہتر طور پر عورت کے جذبات کی عکاسی کر سکتی تھیں۔ چونکہ وہ خود ایک عورت تھیں۔ اپنی نظم ''جی چاہتا ہے خود پہ مجھے اختیار ہو'' میں لکھتی ہیں:

جی چاہتا ہے دور تلک ہو حسین شام
بادل سا ہو وجود مرا آسمان پر
میں بھی ہوا کے دوش پہ ہر سو اڑا کروں
اور پر لگا کے سارا جہاں دیکھتی رہوں ۸۸

اُن کی پوری شاعری عورت کے نازک اور نرم جذبات سے بھری ہوئی ہے۔ جس میں عورت کے اُن احساسات کا واضح عکس نظر آتا ہے جو ایک شریف اور مشرقی عورت کے سوچنے اور محسوس کرنے کا انداز ہوتا ہے۔

اپنی نظم ''احساس کی زنجیر'' میں عورت کے جذبات کی اس طرح عکاسی کرتی ہیں:

؎ لمحوں سے بھرا ہاتھ میں پیمانہ لئے میں
اپنا ہی کوئی عکس یہاں ڈھونڈ رہی ہوں ۸۹

اپنی ایک غزل میں یوں لکھتی ہیں:

گردش دو جہاں میں رہتی ہوں
ہر گھڑی امتحاں میں رہتی ہوں ۹۰

شہناز مزمل خود ایک عورت ہیں موم کی خاصیت رکھنے والی پگھلنے ولی کیونکہ پگھنا تو ازل سے ہی عورت کے مقدر میں لکھا ہے۔لیکن شہناز مزمل کا کارنامہ یہ ہے کہ وہ اسی موم سے ''سائبان'' بنانے کا فن خوب جانتی ہیں۔اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اس سائبان تلے رہنا بھی خوب جانتی ہیں۔

شہناز مزمل کا شمار ایسی شاعرہ کی حیثیت سے کیا جاتا ہے جس نے اپنے جذبات وحروف کو زنجیر میں پرو کر اُن کا برملا اظہار کیا ہے۔محترمہ شہناز مزمل نے عورت کو اس بات کا احساس دلایا ہے کہ وہ صرف خاتونِ خانہ ہی نہیں بلکہ ایک وسیع وعریض دنیا کی ایسی ہستی ہے جس کا اپنا ایک مقام ہے ایک وجود ہے۔جس کی کوئی واضح پہچان ہے۔وہ عورت کی وفا، ایثار اور جذبوں کی ترجمانی کرنے کے ساتھ ساتھ عورت کو اُس کی ذات کے اندر کی عورت کے کردار کو مضبوط بنانے کی بھی تلقین کرتی ہیں۔لکھتی ہیں:

اپنے دُکھ خود سے ذرا دیر میں کہہ لیتی ہوں
دو گھڑی ساتھ اپنے ذرا رہ لیتی ہوں
اصلی چہرے پہ نیا چہرہ سجا لیتی ہوں
خود کو کتنے ہی عذابوں سے بچا لیتی ہوں [۹۱]

شہناز مزمل کی غزل اور نظم کا نسوانی لب ولہجہ ان کی زبان وبیان کی ملائمت ،نرمی اور کوملتا عورت سے مخصوص ہے اور یہی اُن کی غزل اور نظم کی شناخت اور پہچان ہیں۔

شہناز مزمل کی غزل اُن کے اندر کے جذبات کا ایک اُلاؤ ہے۔اُن کے نزدیک کڑا وقت ایک آزمائش کی صورت میں اُن کے سامنے آتا ہے۔محترمہ نے اپنی انا کو اپنے کرب کو جن الفاظ میں ڈھالا ہے یہ صرف اور صرف انھی کا ہی اعجاز ہے۔

صادقہ نصیر اپنے مضمون ''کلامِ شہناز'' کے تفصیلی جائزہ میں یوں رقم طراز ہیں:

> ''عورت ہر روپ میں جلتی ہے پگھلتی ہے، کٹتی ہے اور جلد مر جاتی ہے۔اُسے اس کے اندر کا کرب مٹا ڈالتا ہے یہ صورت دراصل اُس کی شناخت کی علامت ہوتی ہے۔لیکن شہناز مزمل نے اپنے لیے Survival کا راستہ ڈھونڈ نکالا ہے۔اور وہ ہے شاعری کا راستہ۔''[۹۲]

جذبۂ حب الوطنی:

شہناز مزمل کے ابتدائی دور کے موضوعات زیادہ تر قومی و مذہبی ہیں۔انھوں نے اپنے وطن کے لوگوں سے نہ صرف

محبت کی ہے بلکہ وطنِ پاکستان کو اپنا دیس سمجھتے ہوئے شاعری کی ہے اور اپنے وطن کی سلامتی کے لیے لکھا ہے۔

شہناز مزمل کے خاص موضوعات میں اسلام اور پاکستان سے والہانہ محبت اور ذوقِ ادب کا خاص اظہار ملتا ہے۔ شہناز مزمل مزمل کے ہاں وطن کے حوالے سے نئی امنگوں اور تازہ ولولوں کا پیغام بھی بڑے خوب صورت انداز میں ملتا ہے۔

شہناز مزمل چونکہ اپنے وطن سے محبت کرتی ہیں اور لوگوں کو بھی یہ پیغام دینا چاہتی ہیں کہ اپنا وطن دھرتی ماں کی طرح ہوتا ہے۔ اپنا وطن اپنا دیس اپنا ہی ہوتا ہے۔ اور اس کی اہمیت کا اندازہ پردیس میں رہنے والوں سے پوچھے جو بیرونِ ملک غلاموں کی طرح زندگی گزارتے ہیں۔

شہناز مزمل اپنی نظم ''پردیس میں'' میں لکھتی ہیں:

؎ یہ وقت سمندر ہے لمحات کی بارش ہے
جذبات کو تم اپنے سینے میں دبا لینا
پردیس میں چہرے پر اک خول سجا لینا
چپ چاپ سے آنسوؤں کو پلکوں میں چھپا لینا
کب درد کوئی سمجھے کب کرب کوئی جانے
یادوں کے جزیرے میں دھیرے سے بکھر جانا
۹۳

شہناز مزمل کے کلام میں حب الوطنی، انسانی ہمدردی اور معاشرتی اقدار کے تاثرات ہیں۔ اُن کی شاعری مسلسل تلاش اور جستجو کی شاعری ہے۔ شہناز مزمل اپنی نظم ''اجنبی سرزمیں'' میں پرائے وطن پرائے شہر کے بارے میں لکھتی ہیں کہ وہاں لوگوں نے کس طرح اپنے اجداد کی روایات کو بھلا دیا اور صرف دنیاوی دولت دنیا کا حرص اور لالچ نے اُن سے حقیقی اور باطنی خوشی اور سکون چھین لیا ہے۔ اب وہ خوش بھی ہوتے ہیں تو صرف اور صرف دکھاوا ہوتا ہے۔ دلی خوشی کا کوئی جواز ہی نہیں بچتا۔ لکھتی ہیں:

کون جانے وقت سے بھی تیز ہوں
سب ہیں الجھے اک طلسمی جال میں
مست ہے ہر اک اپنے حال میں

خوب ہے اُن کا طریقِ زندگی
بھول بیٹھے ہیں سبھی اقدار ہم
پھول پتیوں کے مشینی شہر میں
رنگ و بو کا ایک حسیں طوفان ہے
سخت مشکل میں مگر انسان ہے [۹۴]

دیس سے باہر ظاہری شان و شوکت اور روشنیاں اور چمکتی دنیا تو مل جاتی ہے مگر اپنے دیس کا اپنے وطن کا سکون اور چین حاصل کرنا مشکل ہوتا ہے۔

تاریخی واقعات:

شہناز مزمل نے جہاں ''موم کے سائبان'' میں مذہبی واقعات کو بیان کیا وہاں پر انھوں نے تاریخی واقعات کو بھی بیان کیا ہے چونکہ اُن کو مذہب کے ساتھ ساتھ اسلامی تاریخ سے بھی کافی لگاؤ ہے۔ ویسے بھی ایک کامیاب شاعرہ ہونے کا ثبوت تبھی مل سکتا ہے جب اُن کو اپنے آباؤ اجداد کے قصے اور ان کی تاریخی اور خاص طور پر اسلامی تاریخ سے مکمل واقفیت ہوگی۔ ایک شاعر تب جا کر ہی کوئی خاص مقصدی بات یا شاعری کر سکتا ہے۔ جس کا علم مکمل اور وسیع ہو۔ شعروں میں استعمال کیے جانے والے الفاظ کی تاریخ اور اُن واقعات کی تاریخ سے مکمل جانکاری ہو تبھی ایک شاعرہ مکمل اور کامیاب شاعری لکھ سکتی ہے۔ شہناز مزمل اپنی نظم ''کربلا کے نام'' میں لکھتی ہیں:

وہ چلچلاتی ہوئی شام تھی فرات کے پار
شبِ سیہ میں کوئی کارواں اترتا تھا
اُگل رہی تھی زمیں آگ آسماں چپ تھا
زمینِ کربلا رنگین تھی جہاں چپ تھا [۹۵]

ماضی پرستی:

شہناز مزمل اپنی نظموں میں اپنا اضطراب و مسلسل بیان کرتی ہیں کہ زندگی میں خواہشوں کا ایک سمندر آباد ہے۔ اور وہ خواہشوں سے کہیں بھی پناہ نہیں ڈھونڈ پاتیں۔ ماضی کا دلکش تصور اُن کی شاعری کی جان ہے۔ وہ ماضی کے جھروکوں میں کئی

خوابوں کی کرچیاں بنتی ہیں اور کئی تمناؤں کا خون ہوتے دیکھتی ہیں۔

ایک شاعر کے دل میں حسرتیں اور غم ہی تب پیدا ہوتے ہیں جب وہ ماضی کے حالات و واقعات کو اپنے ساتھ ساتھ لے کر چلتا ہے۔ ماضی کے تجربات کا عکس اُس کے ذہن پر گہرا ہوتا ہے۔ جب انسان کے ذہن پر ماضی کی اچھی یا بری باتیں نقش رہتی ہیں تب تک انسان اپنے ماضی سے اپنی گزری ہوئی زندگی اور حالات و واقعات سے نکل نہیں سکتا اور نہ ہی زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھ سکتا ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

خدایا!
برف سوچوں کو میری پگھلا
نیا سورج جلا کر
میری یخ بستہ سوچوں کو روانی دے
میرے افکار کو مربوط کر اور زندگانی سے ۹۶

جب کہ کوئی انسان اپنے ماضی سے سبق سیکھنے کے بعد اپنی زندگی کی دوڑ میں آگے نہیں نکلتا۔ اپنے ماضی کے تلخ تجربات کو بھلا کر تب تک وہ صدمے سے باہر نہیں نکل سکتا۔

حوالہ جات

۱۔ نعمانہ فاروق۔عکسِ خیال۔لاہور: پہچان پبلی کیشنز،۱۹۹۵ء۔ص۹

۲۔ شہناز مزمل، ڈاکٹر۔موم کے سائبان۔لاہور: پاک بک ایمپائر،۱۹۹۴ء۔ص۲۵

۳۔ ایضاً۔ص۲۳

۴۔ شہناز مزمل، ڈاکٹر۔نورِفرقان۔ملتان: شیر ربانی پریس،۲۰۲۰ء۔ص۲۳

۵۔ شہناز مزمل، ڈاکٹر۔موم کے سائبان۔ص۱۲۴

۶۔ ایضاً۔ص۱۹۶

۷۔ ایضاً۔ص۱۳۵

۸۔ ایضاً۔ص۴۷

۹۔ ایضاً۔ص۱۲۵

۱۰۔ ایضاً۔ص۱۷۸

۱۱۔ نعمان فاروق۔عکسِ خیال۔ص۱۷

۱۲۔ شہناز مزمل، ڈاکٹر۔موم کے سائبان۔ص۱۳

۱۳۔ ایضاً۔ص۴۳

۱۴۔ ایضاً۔ص۱۵۲

۱۵۔ ایضاً۔ص۲۲

۱۶۔ ایضاً۔ص۵۶

۱۷۔ ایضاً۔ص۵۱

۱۸۔ ایضاً۔ص۶۰

۱۹۔ نعمانہ فاروق۔عکسِ خیال۔ص۱۳۵

۲۰۔ شہناز مزمل، ڈاکٹر۔موم کے سائبان۔ص۱۷۶

۲۱۔ ایضاً۔ص۶۱

۲۲۔ ایضاً۔ص۵۷

۲۳۔ نعمانہ فاروق۔عکسِ خیال۔ص۱۲۵

۲۴۔ شہناز مزمل، ڈاکٹر۔موم سائبان۔ص۷۷

۲۵۔ زومرہ منان۔ظفر اقبال کے شعری مجموعے تشویش کا فنی وفکری جائزہ۔مقالہ برائے ایم فل مملوکہ لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور:

۲۵(الف) شہناز مزمل، ڈاکٹر۔موم کے سائبان۔ص۳۲

۲۶۔ شہناز مزمل، ڈاکٹر۔موم کے سائبان۔ص۳۷

۲۷۔ ایضاً،۶۳

۲۸۔ زومرہ منان۔ظفر اقبال کے شعری مجموعے تشویش کا فنی وفکری جائزہ۔مقالہ برائے ایم فل مملوکہ لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور:۲۰۲۱ء۔ص۱۷۷

۲۹۔ شہناز مزمل، ڈاکٹر۔موم سائبان۔ص۳۹

۳۰۔ ایضاً۔ص۹۶

۳۱۔ ایضاً۔ص۴۰

۳۲۔ ایضاً۔ص۴۶

۳۳۔ ایضاً۔ص۱۴۳

۳۴۔ ایضاً۔ص۴۷

۳۵۔ ایضاً۔ص۱۴۷

۳۶۔ ایضاً۔ص۱۰

۳۷۔ ایضاً۔ص۷۹

۳۸۔ ایضاً۔ص۱۱۶

۳۹۔ ایضاً۔ص۵۳

۴۰۔ ایضاً۔ص۱۵۰

۴۱۔ ایضاً۔ص۱۶۱

۴۲۔ ایضاً۔ص۴۵

۴۳۔ ایضاً۔ص۱۴۵

۴۴۔ ایضاً۔ص۱۲۶

۴۵۔ نعمانہ فاروق۔عکسِ خیال۔ص۴

۴۶۔ شہناز مزمل، ڈاکٹر۔موم کے سائبان۔ص۱۹۰

۴۷۔ زومرہ منان۔ظفر اقبال کے شعری مجموعے تشویش کا فنی وفکری جائزہ۔مقالہ برائے ایم فل مملوکہ لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی لاہور:۲۰۲۱ء۔ص۱۴۸

۴۸۔ شہناز مزمل، ڈاکٹر۔موم کے سائبان۔ص۱۶۰

۴۹۔ ایضاً۔ص۱۲۵

۵۰۔ ایضاً۔ص۱۳۲

۵۱۔ ایضاً۔ص۴۶

۵۲۔ ایضاً۔ص۸۱

۵۳۔ زومرہ منان۔ظفر اقبال کے شعری مجموعے تشویش کا فنی وفکری جائزہ۔مقالہ برائے ایم فل مملوکہ لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی لاہور:۲۰۲۱ء۔ص۲۱۵

۵۴۔ نعمان فاروق۔عکسِ خیال۔ص۱۱

۵۵۔ ایضاً۔ص۱۸۰

۵۶۔ ایضاً۔ص۹۸

۵۷۔ ایضاً۔ص۲۰۰

۵۸۔ ایضاً۔ص۳۹

۵۹۔ ایضاً۔ص۲۸

۶۰۔ ایضاً۔ص۱۳۲

۶۱۔ ایضاً۔ص۱۳۴

۶۲۔ ایضاً۔ص۱۱۶

۶۳۔ ایضاً۔ص۱۳۸

۶۴۔ ایضاً۔ص۱۹۸

۶۵۔ ایضاً۔ص۱۳۰

۶۶۔ ایضاً۔ص۱۴۴

۶۷۔ ایضاً۔ص۴۸

۶۸۔ ایضاً۔ص۸۴

۶۹۔ ایضاً۔ص۸۹

۷۰۔ ایضاً۔ص۳۳

۷۱۔ ایضاً۔ص۱۵۶

۷۲۔ ایضاً۔ص۳۲

۷۳۔ ایضاً۔ص۳۲

۷۴۔ ایضاً۔ص۳۲

۷۵۔ نعمانہ فاروق۔عکسِ خیال۔ص۲۰

۷۶۔ شہناز مزمل، ڈاکٹر۔موم کے سائبان۔ص۸۷

۷۷۔ ایضاً۔ص۲۷

۷۸۔ ایضاً۔ص۷۲

۷۹۔ ایضاً۔ص۸۲

۸۰۔ ایضاً۔ص۹۴

۸۱۔ ایضاً۔ص۱۹۸

۸۲۔ ایضاً۔ص۱۱۰

۸۳۔ ایضاً۔ص۱۱۰

۸۴۔ ایضاً۔ص۴۶

۸۵۔ ایضاً۔ص۱۱۱

۸۶۔ ایضاً۔ص۱۱۰

۸۷۔ نعمانہ فاروق۔عکسِ خیال۔ص۱۵۹

۸۸۔ شہناز مزمل، ڈاکٹر۔موم کے سائبان۔ص۴۸

۸۹۔ ایضاً۔ص۵۶

۹۰۔ ایضاً۔ص۱۵۹

۹۱۔ ایضاً۔ص۱۱۲

۹۲۔ نعمانہ فاروق۔عکسِ خیال۔ص۱۴

۹۳۔ شہناز مزمل، ڈاکٹر۔موم کے سائبان۔ص۵۱

۹۴۔ ایضاً۔ص۶۵

۹۵۔ ایضاً۔ص۶۳

۹۶۔ ایضاً۔ص۳۲

باب سوم

موم کے سائبان کا فنی جائزہ

''موم کے سائبان'' کا فنی جائزہ

شعری اسلوب میں علم بیان اور علمِ بدیع کی نزاکتوں کا اہتمام اس کے حسن میں اضافے کا موجب بنتا ہے۔مختلف صنائع بدائع کا استعمال نہ صرف شاعر کے فنی کمال پر دلالت کرتا ہے بلکہ فکری لحاظ سے بھی اس کی شاعری کو گہرائی عطا کرتا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ کوئی شاعر صنعتوں کا استعمال شعوری طور پر کرتا ہے یا غیر شعوری طور پر، یہ بات مسلمہ ہے کہ ان کے بغیر شاعری، شاعری کا درجہ نہیں پا سکتی۔

جہاں تک شہناز مزمل کا تعلق ہے اُن کی شاعر میں فکری و موضوعاتی تنوع کے ساتھ رنگا رنگی بھی کسی حد تک موجود ہے۔ اُن کی شاعری کے مطالعے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اس کے لیے وہ کوئی شعوری اہتمام نہیں کرتیں بلکہ تخیل کی رو میں بہتے بہتے ،صنائع بدائع کی کرشمہ سازیاں اُن کے کلام کے سبک رواں بہاؤ میں خود بخود شامل ہوگئی ہیں۔

شہناز مزمل کے شعری مجموعے ''موم کے سائبان'' میں فنی حوالے سے بھی بہت سی صنعتوں کا اور علمِ البدیع اور علم البیان کا استعمال ملتا ہے۔ جو اُن کی شاعری کو مزید خوبصورت اور منفرد بناتا ہے۔انھوں نے اپنے مجموعے ''موم کے سائبان'' میں صنعتوں کا استعمال فن کے حوالے سے جو کیا ہے درج ذیل ہے:

ا۔تشبیہات کا استعمال:

تشبیہات و استعارات کلام میں خوبصورتی پیدا کرتے ہیں۔علم بیان کی رو سے جب کسی چیز کو کسی مشترکہ خصوصیات کی بنا پر کسی دوسری چیز کی مانند قرار دیا جائے تو اسے تشبیہ کہتے ہیں۔تشبیہ علم بیان کا سب سے پہلا اور اہم رکن متصور ہوتا ہے۔تشبیہ پر مزید بات کرنے سے پہلے علمِ بیان کی تعریف پیش کی جاتی ہے۔

یعنی اس علم پر قابو پانے کے بعد فن کار اپنے کلام کو حُسن بخشتا ہے۔تشبیہات و استعارات پیکر تراشنے میں بھی بہت معاون ہوتے ہیں۔ان کے ذریعے ایک تصویر پیش کی جاتی ہے۔

تشبیہ کی بدولت کلام میں فصاحت و بلاغت پیدا ہوتی ہے۔اور کلام زیادہ واضح ہوتا ہے۔یہ کلام میں نہ صرف حسن پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے بلکہ اس کی مدد سے کم سے کم الفاظ میں مشکل سے مشکل بات سمجھانا سہل ہو جاتا ہے۔تشبیہ جتنی زیادہ بلیغ

ہوگی کلام میں بھی اس قدر تاثیر ہوگی۔

سید عابد علی عابد البیان میں لکھتے ہیں:

''تشبیہ اس کے مقابلے میں وہ فن ہے جس کے ذریعے فنکار، انشا پرداز یا خطیب مختلف چیزوں میں مشابہتیں دریافت کرتا ہے۔ گویا ایک چیز کو دوسری چیز کے مشابہ کر دینا ہے۔ کہنے کو تو بات ختم ہوگئی لیکن یہ مقام بڑا نازک ہے اور پل صراط کی دھار کی طرح باریک۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ عامیانہ مشابہتوں کا دریافت کرنا فن کار کا کمال نہیں اس کی نظر گہری پڑتی ہے اور اس لیے ایسی دو چیزوں میں مشابہتیں دکھاتی ہے جن کا سان گمان بھی نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ بات واضح رہے کہ جن چیزوں کو ایک دوسرے کی مانند ٹھہرایا جاتا ہے یا مشابہ کیا جاتا ہے۔ ان کا بعض اقدار و اوصاف میں اختلاف لازمی ہے۔''[۱]

شہناز مزمل مزمل کی شاعری میں بھی ہمیں جگہ جگہ تشبیہات کا استعمال نظر آتا ہے۔

مثال کے طور پر لکھتی ہیں:

؎ مرے مکاں کے دریچوں کے بند شیشوں سے
دھواں دھواں سا بکھر جاتا میری آنکھوں میں [۲]

؎ مگر درختوں کے دریچوں پہ جو دھواں سا تھا
وہ ایک آہ سے پگھلا تھا چشم تر کی طرح [۳]

ان اشعار میں انھوں نے ''دھواں دھواں سا'' لفظ بطور تشبیہ استعمال کیا ہے۔

۲۔ استعارہ:

استعارہ کے لغوی معنی کسی سے کوئی چیز ادھار لینے کے ہیں۔ علم بیان کی اصطلاح میں حقیقی اور مجازی معنوں کے درمیان تشبیہ کا علاقہ ہونا یعنی حقیقی معنی کا لباس لے کر مجازی معنوں کو پہنچانا۔

مثال کے طور پر:

نرگس کہہ کر آنکھ مراد لینا

استعارہ اور تشبیہ میں یہ فرق ہے کہ استعارہ تشبیہ سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے۔تشبیہ میں ایک چیز کو دوسری جیسا قرار دیا جاتا ہے۔جب اُن میں کوئی صفت یا خوبی مشترک ہو لیکن استعارے میں ایک چیز کو ہو بہو دوسری چیز مان لیا جاتا ہے۔

پروفیسر انور جمال استعارہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''کسی شے کے لوازمات اور خصوصیات کو کسی دوسری شے سے منسوب کرنا استعارہ ہے۔''[۴]

جیسے کہ دل ٹوٹنا، پانی پانی ہونا، آگ کی طرح جلنا، آنکھیں لڑنا اور غصے میں آگ ہونا سب استعارے ہیں۔

شہناز مزمل نے بھی اپنی شاعری میں استعاروں کا بہت زیادہ استعمال کیا ہے جو اُن کے کلام کو مزید خوبصورت بنا دیتے ہیں۔شہناز مزمل نے بھی ''موم کے سائبان'' میں کہیں بیتے موسموں کے زخم، شکستہ آئینہ خانے اور تشنہ لبی جیسے استعارات کا استعمال کیا ہے۔

غفار بابر ''موم کے سائبان کی شاعرہ ''شہناز مزمل'' میں لکھتے ہیں:

''استعارہ اور اشارہ کثرت کے ساتھ ادبی تنقید میں استعمال ہونے والے الفاظ ہیں۔استعارہ قدیم اصطلاح ہے۔عربی، فارسی اور اردو کے کلاسیکی ادب میں اُس کی شرح کر دی گئی ہے۔اشارہ البتہ نئی اصطلاح ہے یہ انگریزی لفظ Symbol کا ترجمہ ہے۔علامت رمز، ایما اس کے مرادفات ہیں۔''[۵]

شہناز مزمل لکھتی ہیں:

؎ آبلہ پا زندگی کو یوں بسر کرتے ہیں
خار چُن کر راستوں کو رہ گزر کرتے رہے [۶]

اس شعر میں انھوں نے پا ''آبلہ پا'' کا لفظ استعارہ کے طور پر استعمال کیا۔

اسی طرح لکھتی ہیں:

؎ شبنمی آنکھیں ترے بڑھتے قدم روک نہ لیں
دمِ رخصت ترا ملنے سے گریزاں ہونا

یاد آ جاتا ہے مجھ کو وہ بدلتی رُت میں
اے مری چشمِ تماشا ترا حیراں ہونا ۷

اس شعر میں شہناز مزمل نے ''شبنمی آنکھیں'' اور ''چشمِ تماشا'' کو بطورِ استعارہ استعمال کیا ہے۔

؎ میں ازل سے ہوں تشنہ لب لیکن
ساتھ اُس کے بھی ایک صحرا ہے ۸

اس شعر میں انھوں نے ''تشنہ لب'' کا لفظ استعارہ کے طور پر استعمال کر کے اپنی شاعری کو مزید خوبصورت بنا دیا ہے۔

۳۔ تلمیح:

شعر میں ایک لفظ یا چند الفاظ کے ذریعے کسی مشہور آیت، روایت، واقعے یا تاریخی سانحے کی طرف اشارہ کرنا تلمیح کہلاتا ہے۔

شہناز مزمل نے مختلف اشعار میں کسی تاریخی یا مذہبی واقعات کے ذریعے تلمیح بیان کی ہے۔

''موم کا سائبان'' میں بھی انھوں نے تلمیح کے استعمال سے شعروں کو حسن بخشا ہے۔

اپنی نظم ''کربلا کے نام'' میں لکھتی ہیں:

؎ وہ چلچلاتی ہوئی شام تھی فرات کے پار
شبِ سیہ میں کوئی کارواں اترتا تھا ۹

اس شعر میں انھوں نے ''فرات'' کا لفظ استعمال کر کے دریائے فرات کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس لفظ کا استعمال تلمیح کہلاتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک شعر میں لکھتی ہیں:

؎ تھا کون روکے جو منہ زور وقت کی ٹاپیں
فگار ہوتی رہیں کربلا کی سب راتیں ۱۰

اس شعر میں ''کربلا'' کا لفظ استعمال کر کے ''میدان کربلا'' اور جنگ کربلا کی طرف بات کی ہے۔ وہاں کی منظر کشی کی

ہے۔

؎ فرات جاں کو سپرد فرات کر ڈالا
یزیدیوں کو شہادت سے مات کر ڈالا [۱۱]

اس شعر میں بھی انھوں نے ''فراتِ جاں'' کا لفظ بطور تلمیح استعمال کیا ہے۔

اور دوسری لائن میں ''یزیدیوں'' کا لفظ یزیدی فوج کو ظاہر کرتا ہے۔ یزید جو کہ کربلا کی تاریخ میں ایک مشہور کردار کا نام ہے اُس کی طرف اشارہ کرنا تلمیح کہلاتا ہے۔

۴۔صنعتِ تضاد:

صنعتِ تضاد کو صنعتِ طباق، مطابقت، تطبیق اور تکافو بھی کہتے ہیں۔ یہ علم بدیع کے حصے ضائع معنوی کی ایک شاخ ہے۔

صنعتِ تضاد سے مراد ہے کہ کلام میں دو ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جن کے معنی آپس میں مقابل ہوں جیسے کہ آنا جانا، مرنا جینا، رات دن، صبح و شام اور گرمی سردی وغیرہ۔

اس کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ طباق ایجابی
۲۔ طباق سُلبی

طباق ایجابی سے مراد ہے کہ الفاظ متضاد کے ساتھ حرف نفی کا استعمال نہ ہو۔

اور طباق سُلبی سے مراد ہے کہ دو لفظ ایک مصدر سے مشتق ہوں ایک مثبت ہو اور ایک منفی ہو۔

مختلف شعراء کے ہاں صنعتِ تضاد کا استعمال پایا جاتا ہے جو اُن کی شاعری کو حسن بخشتا ہے۔ اسی طرح شہناز مزمل نے بھی اپنی شاعری کو خوبصورت اور جاذب نظر بنانے کے لیے صنعتِ تضاد کا استعمال کیا ہے۔ کئی شعروں میں مقابل الفاظ استعمال کر کے صنعتِ تضاد کے انداز میں خوبصورت شاعری کی ہے اور اپنی شاعری کو حسن بخشا ہے۔

لکھتی ہیں:

؎ تھیں طویل اتنی مسافتیں کوئی ساتھ میرا نہ دے سکا
وہ یقیں کی حد یہ ٹھہر گیا میں ہر اک گماں سے گزر گئی ۱۲

شہناز مزمل نے اپنے اس شعر میں ''یقیں'' اور ''گماں'' کا لفظ صنعتِ تضاد کے طور پر استعمال کیا ہے اور اپنی شاعری کو پُرکشش بنایا ہے۔ لکھتی ہیں:

؎ مرا شوق تھا مراہم سفر، تھی بلند یوں پہ مری نظر
نہ زمیں کی قید میں رہ سکی، ہر اک آسماں سے گزر گئی ۱۳

اس شعر میں شہناز مزمل نے ''زمیں'' اور ''آسماں'' کا لفظ استعمال کر کے شعر میں صنعتِ تضاد پیدا کی ہے۔

اسی طرح اپنے ایک شعر میں یوں صنعتِ تضاد کا استعمال کرتی ہیں۔

؎ جو خلش سی تھی وہ عزیز تھی مجھے چارہ گر نہ ملا تو کیا
میں بھی دشمنوں کی پناہ میں کوئے دوستاں سے گزر گئی ۱۴

اس شعر میں ''دشمنوں'' اور ''دوستاں'' کا لفظ صنعتِ تضاد کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

۵۔صنعتِ سیاق الاعداد:

سیاق الاعداد سے مراد اعداد کا ذکر کرنا ہے۔ یعنی کلام میں ترتیب وار یا بنا ترتیب کے اعداد کا استعمال صنعتِ سیاق الاعداد کہلاتا ہے۔ یہ ضائع لفظی کی ایک شاخ ہے اور تقریباً ہر شاعر کے ہاں اس صنعت کا استعمال پایا جاتا ہے۔

شہناز مزمل نے بھی ''موم کے سائبان'' میں صنعتِ سیاق الاعداد کا استعمال کرے کلام میں حسن وخوبی پیدا کی ہے۔ اور کہیں پر ان اعداد کو بے ترتیبی سے برتا گیا ہے اور کہیں پر ان اعداد کا استعمال ترتیب وار کیا گیا ہے اور کہیں ایک عدد کے ذکر سے ہی اشعار کی تزئین کی ہے۔

اور کہیں پر اعداد کا استعمال بے ترتیبی سے کیا گیا ہے یعنی دو کے بعد چار کا لفظ ہے۔ لیکن یہ بے ترتیبی بھی ایک آہنگ اور حسن پیدا کر رہی ہے۔

لکھتی ہیں:

ے بکھرے ہوئے ہیں چار سو تیری ہی یاد کے گلاب
کوئی نہیں سمیٹتا کیسا یہ سلسلہ ہے آج ۱۵؎

اس شعر میں انھوں نے ''چار سو'' کا لفظ استعمال کر کے شعر میں صنعتِ سیاق الاعداد کا استعمال کیا ہے اور اس لفظ کے ذریعے شعر میں خوبصورتی پیدا کی ہے۔ کیونکہ ویسے گنتی کے حروف کو دیکھا جائے تو صنعتِ سیاق الاعداد میں تو صنعت کے استعمال میں شعروں کی خوبصورتی اور لفظوں کی خوبصورتی دونوں ہی بڑھ جاتی ہیں۔

۶۔صنعت مراعات النظیر :

یہ علم بدیع کے حصے صنائع معنوی کی سب سے اہم صنعت ہے۔اس صنعت کو تناسب اور توفیق اور ایتلاف اور بھی کہتے ہیں جب کہ مراۃ کے معنی ''رعایت'' اور ''نظیر'' کے معنی مانند اور مثل کے ہیں۔یعنی کلام میں ایسے الفاظ کا استعمال جس میں تضاد کے علاوہ کچھ نہ کچھ مناسبت پائی جائے۔جیسے کہ چمن کے ذکر کے ساتھ گل، پھول، قمری اور باغبان کا ذکر ہو۔اس صنعت سے کلام میں معنوی حسن کے ساتھ لفظی حسن بھی پیدا ہوتا ہے۔ان صنائع کا استعمال شاعر کی فنی، پختگی کا ثبوت ہوتا ہے۔

البیان میں شمس الدین فقیر لکھتے ہیں:

''کہ مراۃ النظیر کو تناسب اور توفیق بھی کہتے ہیں اور صورت اس کی یہ ہے کہ کلام میں ایسی چیزوں کا ذکر کیا جاتا ہے، جن میں باہم نسبت ہو، لیکن یہ نسبت تقابل یا تضاد کی نہیں ہونی چاہیے۔''۱۶؎

شہناز مزمل نے بھی اپنے شعری مجموعے ''موم کے سائبان'' میں صنعت مراۃ النظیر کا استعمال کیا ہے۔

ے شکستہ کشتیوں پر آگے بڑھنا اپنی فطرت ہے
کبھی موجوں کا طوفانوں کا ہم نے دل نہیں توڑا ۱۷؎

اس شعر میں ''کشتیوں'' کے ساتھ ''موجوں'' اور ''طوفانوں'' کا ذکر شعر میں صنعت مراعات النظیر کے استعمال کو ظاہر کرتا ہے۔

ایک جگہ لکھتی ہیں:

ے چراغِ شام کو تو آخرِ شب بجھ ہی جانا ہے
چمکتے جگنوں سے ربط یوں ہم نے نہیں توڑا ۱۸؎

اس شعر میں ''چراغ شام'' کے ساتھ ''آخرِ شب'' اور ''جگنوں'' کے لفظوں کا استعمال صنعت مراعات النظیر کو ظاہر کرتا ہے اور شعر کی خوبصورتی کو چار چاند لگاتے ہیں۔

۷۔صنعتِ تکرار:

تکرار کے لغوی معنی دہرانا یا بار بار کرنا کے ہیں۔علم البدیع کی اصلاح میں صنعتِ تکرار اس صنعت کو کہتے ہیں جس کے تحت شعر یا مصرع میں کسی لفظ کو زور دینے کے انداز میں استعمال کیا گیا ہو صنعتِ تکرار کہلاتا ہے۔

اس صنعت کے استعمال سے بھی شعراء کلام میں خوبصورتی اور دلکشی پیدا کرتے ہیں۔شاعر حضرات اس صنعت کے استعمال سے کہیں کلام میں حسن اور کہیں تاثیر پیدا کرتے ہیں۔تو کہیں ان کا استعمال قبیح بھی معلوم ہوتا ہے۔

شہناز مزمل لکھتی ہیں:

؎ حسین رتجگے کرنے کو خواب چُن چُن کر
حسین لمحوں کی تعبیر لکھ لیا کرنا [۱۹]

اس شعر میں ''چُن چُن'' کا لفظ صنعتِ تکرار کے استعمال کو ظاہر کرتا ہے اور ایک لفظ کے بجائے جب دو لفظوں کا اکٹھا استعمال ہوا ہے تو تکرار کا انداز بھی پیدا ہو گیا ہے جو عام ایک لفظ کی نسبت زیادہ پُرکشش نظر آ رہا ہے۔اور دوسرا یہ کہ اس طرح کے اشعار پڑھنے سے بیزاری اور بوریت بھی نہیں ہوتی۔

ایک شعر میں لکھتی ہیں:

؎ تھا برف برف سا موسم تپش دلوں میں تھی
بڑھی تھی رنجش اتری خلش دلوں میں تھی [۲۰]

اس شعر میں ''برف برف'' لفظ کا دوبارا استعمال صنعتِ تکرار کو پیدا کرتا ہے۔

؎ دھواں دھواں سی فضا میں ہوا تھی نوحہ کناں
تمام شہر شبِ گریہ کی پناہ میں تھا [۲۱]

اس شعر میں ''دھواں دھواں'' کا لفظ صنعتِ تکرار کے طور پر استعمال کیا گیا ہے ان تمام لفظوں کا استعمال جو شعر میں

دونوں اکٹھے استعمال ہوتے ہیں تکرار پیدا کر دیتے ہیں اور جو شعر کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کر دیتا ہے اور اس کو دلچسپ بنا دیتا ہے۔

۸۔ تمثیل نگاری:

تمثال کسی امیج کو زبان دینا امیجری ''Imagery'' ہے اسے تصویر آرائی یا تمثیل آفرینی بھی کہا جا سکتا ہے۔ یہ زبان خواہ رنگوں کی ہو یا حرفوں کی، تراش خراش اور تہذیب کی ہو یا اشاراتی اور علامتی، آواز و آہنگ کی ہو یا خطابت کی تمثال آفرینی کا یہ عمل کسی زبان کے تابع ہے۔ ادبی اصطلاح میں اسے ''امیجری'' یا جمالیاتی تنقید کی علامت کہتے ہیں۔۲۲

تمثیل عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی ہیں سامنے ہونا شکل دکھلانا، یعنی ایک چیز متشکل ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ اور یہ الفاظ معنی کے ذریعہ اشیاء کی نمائندگی کرتی ہے، مختلف چیزوں اور واقعات میں ایک رشتہ اور اتحاد پیدا کر کے کیفیت اور فضا کو اس طرح پیش کرتی ہے کہ گویا ایک تصویر دل و دماغ پر چھا جاتی ہے۔

تمثیل اپنے ظاہری معنی کے علاوہ کئی دوسرے تہہ داری معنی کو بھی پیش کرتی ہے۔ تمثیل کی بدولت حسن کی تمام رنگینیاں آنکھوں کے سامنے آجاتی ہیں۔ وہ حسن جس کو ایک ادبی نظر نہیں پہچان سکتی اس شکل کو تشبیہ و تمثیل آسان کر دیتی ہے۔

بیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں دیگر ادبی تحریکوں کے ساتھ ساتھ تمثیل کا رجحان بھی ایک باقاعدہ تحریک کی صورت میں ظاہر ہوا۔ جس کے بانیوں میں ''ہیوم فلنٹ'' ''اور ایذرا پاؤنڈ'' کا نام ہے۔

مغربی شعریات کے مولف ''سی ڈی لیوس'' نے تمثال کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

> ''تمثال الفاظ کے نقش و نگار سے بنی ہوئی ایک تصویر ہوتی ہے۔ کسی اسم صنعت سے، کسی تشبیہ سے کسی استعارے سے ایک تمثال پیدا ہو سکتی ہے۔ بلکہ یہ ممکن ہے کہ وہ کسی ایسی ترکیب، جملے یا عبارت کی صورت میں پیش کی جائے جو سطحی طور پر تو محض ایک بیانیہ مجموعہ الفاظ ہو لیکن ہمارے ذہن کو کسی خارجی حقیقت کی عکاسی پر مستزاد اور کسی چیز کی طرف منتقل کر دے۔''۲۳

تمثیل نگاری کا سہارا لے کر بات واضح انداز میں بیان کی جا سکتی ہے۔ اس کے بغیر کلام میں دل فریبی پیدا کرنا ناممکن ہوتا ہے، اس کو بھی تشبیہ اور استعارہ کی طرح کلام کا زیور تصور کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ صوفیاء کرام نے بھی سلوک کی منازل کے لیے تمثیلوں کا سہارا لیا ہے۔ سیدھی بات دل و دماغ میں اتنی ہلچل پیدا نہیں کرتی جتنی تشبیہ، استعارے اور تمثیل کے پردے میں

چھپی بات جذبات کو اُبھارتی ہے۔اس لیے جذبے کے اظہار و اسرار کو سمجھنے کے لیے تشبیہ و تمثیل بہتر اسلوب مانے گئے ہیں۔

شہناز مزمل نے بھی اپنے شعری مجموعے ''موم کے سائبان'' میں مختلف تمثیلوں کا استعمال کیا۔کہیں فطرتی تمثیل استعمال کی ہے تو کہیں استعاراتی تمثیلوں کے استعمال سے شاعری کو مزید خوبصورت بنا دیا ہے۔

لکھتی ہیں:

؎ منزلوں کی جستجو میں ڈھونڈتے ہو کیا چراغ
راہ میں کیوں جگنوؤں کے گھر نظر آتے نہیں ۲۴

اس شعر میں جگنوں کے گھر کو بطورِ تمثیل استعمال کیا گیا ہے۔

شہناز مزمل نے فطرتی تمثیلوں کا استعمال زیادہ تر کیا ہے جس میں فطرت کے حسن کو اس طرح بیان کیا ہے کہ لفظوں سے تصویر کشی کر کے رکھ دی ہے۔

اپنی نظم ''آنچ سے پگھلتی برف'' میں لکھتی ہیں:

؎ ایک ردا دُھند کی ابھرتی رہی
برف چاروں طرف بکھرتی رہی ۲۵

اس میں لفظ ''ردا دُھند کی'' تمثیل کے انداز کو ظاہر کرتا ہے۔

ایک شعر میں لکھتی ہیں:

؎ تھیں فضائیں بہت ہی یخ بستہ
آنچ سے اپنی میں پگھلتی رہی ۲۶

اس میں ''آنچ اپنی'' کا لفظ بطورِ تمثیل استعمال ہوا ہے۔

اسی طرح اپنی نظم ''آنے والے کل کا خوف'' میں لکھتی ہیں:

آئینہ چاند کا مکدر ہے

اورتاروں کے بجھ گئے ہیں چراغ ۲۷

اس شعر میں ''آئینہ چاند کا مکدر'' اور ''تاروں کے چراغ'' کا شعرا استعمال میں تمثیل پیدا کرتا ہے۔اور یوں لگتا ہے کہ جیسے لفظوں کے نقش ونگار سے ایک تصویر بنتی جارہی ہے۔

شہناز مزمل لکھتی ہیں:

؎ کچھ زمیں پر بھی ابتری سی ہے
پھول سرگوشیوں میں کہتے ہیں
کوئی طوفان آنے والا ہے ۲۸

اس شعر میں ''پھولوں کی سرگوشی'' کے لفظ کا استعمال شعر میں تمثال کے انداز کو اجاگر کرتا ہے کہ پھول کا سرگوشی کرنا ویسے تو ناممکن ہے مگر شاعری میں اس کا استعمال شہناز مزمل نے اس طرح کیا ہے کہ سچ میں لگتا ہے کہ ''پھول سرگوشی'' کررہے ہوں۔

۹۔تجسیم نگاری:

بے جان چیزوں کو اِس طرح پیش کرنا کہ جاندار معلوم ہوں تجسیم کہلاتا ہے۔

تجسیم کو انگریزی زبان میں ''Personification'' کہا جاتا ہے۔جس سے مراد ہے کسی غیر مرئی شے کو جسم دینا۔ کسی جذبے یا احساس کو جسمانی خدوخال یا حرکات عطا کرنا ہے۔یہ صنعت شعر کے تاثر میں بے پناہ اضافہ کرتی ہے اور قاری پہ سحر طاری کردیتی ہے۔۲۹

تجسیم کا استعمال کرتے ہوئے شاعر اِس طرح شاعری کرتا ہے کہ اس میں جو بے جان چیزوں کے نام اور حوالے دیتا ہے وہ اُن کو اس طرح پیش کرتا ہے کہ وہ چیزیں جاندار اور حرکت کرتی ہوئی محسوس ہونے لگتی ہیں۔

شہناز مزمل لکھتی ہیں:

؎ دشتوں کے دشت میں اوڑھی چادر دھوپ کی
گھر تو آئی ہے گھٹا خدشات ہی کچھ اور ہیں ۳۰

اس شعر میں انھوں نے ''چادر دھوپ کی'' لفظ کا استعمال کرکے تجسیم پیدا کی ہے اور یوں لگتا ہے کہ جیسے سچ میں دھوپ

نے چادر اوڑھ رکھی تھی۔یعنی کے لفظوں کے ذریعے بے جان چیزوں کو جاندار بنا دیا ہے۔

؎ پیرہن چاک ہوا گُل کا تو رو دی شبنم
سبز موسم کو بھلا ڈھونڈ کے لاؤں کیسے [۳۱]

اس شعر میں ''شبنم کا رونا'' کو تجسیم کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

۱۰۔منظر نگاری:

منظر نگاری کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی منظر یا چیز کی ہو بہو ایسے تصویر کھینچنا لفظوں میں کہ وہ جیتی جاگتی اور جاندار محسوس ہونے لگے اور یوں محسوس ہو کہ جیسے کوئی انسان وہ منظر یا واقع خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اور وہ منظر یا واقع اس کی آنکھوں کے سامنے اس طرح گھوم جائے۔

شہناز مزمل مزمل بھی لفظوں کے ذریعے ایسی ہو بہو تصویر کھینچتی ہیں کہ یوں لگتا ہے کہ جیسے پورا منظر آنکھوں کے سامنے گھوم گیا ہے۔اور انسان خود کو وہاں کھڑا ہوا محسوس کرتا ہے۔شہناز مزمل مزمل کی منظر نگاری میں فطرت کی عکاسی بہت زیادہ نظر آتی ہیں اور انسانی دنیا اور انسانوں کی چہل پہل اور طرزِ زیست کے مناظر کی بہت کثرت ہے۔وہ اِن مناظر کے ذریعے معاشرے کے تضادات کو دکھاتی ہیں اور انسانی ہمدردی کے قابل قدر احساسات کی عکاسی کرتی ہیں۔اِن کی بہت سی شاعری معاشرے کے عیوب سے پردہ اٹھا کر انھیں عریاں کر دیتی ہے۔

فطرت کی منظر نگاری کرتے ہوئے اپنی نظم ''اجنبی سرزمیں'' میں لکھتی ہیں:

رہ گزر خاموش ہے
اور درختوں سے گرے پتے زمیں پر
بڑھتے قدموں کے تلے نوحہ کناں ہیں
سرد سرما کی یہ کہر آلود شب
اور ہوا کے دوش پر شہرِ جمال
کتنا ہراسرار ہے [۳۲]

اپنی نظم (آنچ سے پگھلتی برف) میں لکھتی ہیں:

اک ردا دھند کی ابھرتی رہی
برف چاروں طرف بکھرتی رہی
اور بدلتی ہوئی یہ چنچل رت
جسم میں اک الاؤ بھرتی رہی
تھیں فضائیں بہت ہی یخ بستہ
آنچ سے اپنی میں پگھلتی رہی ۳۳

شہناز مزمل کی نظموں میں سماجی منظر نگاری بھی بہت زیادہ نظر آتی ہے۔ سماجی منظر نگاری کے ذریعے انھوں نے نفسیات انسانی اور غریبوں کی زندگی کو زہر آلود کرنے والے حالات واقعات، عام لوگوں کی کسمپرسی اور مفلوک الحالی کے نقشے بڑی دردمندی سے کھینچتی ہیں۔

اپنی نظم ''دھند کے بعد'' میں لکھتی ہیں:

تھا برف برف سا موسم تپش دلوں میں تھی
بڑھتی تھی رنجشیں اتری خلش دلوں میں تھی
مری نگاہ دریچوں پہ جم گئی اس شب
پھر اک عجیب سا منظر مری نگاہ میں تھا
دھواں دھواں سی فضا میں ہوا تھی نوحہ کناں
تمام شہر شبِ گریہ کی پناہ میں تھا ۳۴

اپنی نظموں کے ذریعے انھوں نے سماج کی اصلاح کی ہے۔

۱۱۔ لمبی بحروں کا استعمال:

چھوٹی بحر میں دو لفظوں میں بات کرنا بہت مشکل ہوتا ہے جب کہ لمبی بحر میں کوئی بھی بات آسانی سے اور واضح انداز میں بیان کرنا نہایت آسان ہوتا ہے۔ لمبی بحروں کا استعمال بھی ''موم کے سائبان'' میں ہمیں جگہ جگہ ملتا ہے۔

لمبی بحروں کے اشعار میں کسی بھی بات کو واضح انداز میں بیان کیا جا سکتا ہے اور کسی بھی چیز کو واضح طور پر شاعر قارئین

تک اپنا پیغام یا اپنی بات پہنچا سکتا ہے۔

شہناز مزمل نے بھی اپنی شاعری میں جگہ جگہ لمبی بحروں کا استعمال کیا ہے جو اُن کی شاعری کو مزید خوبصورت بنا دیتا ہے۔

شہناز مزمل لکھتی ہیں:

؎ تھے عجیب میرے بھی فیصلے میں کڑی کماں سے گزر گئی
رہے فاصلے مرے منتظر میں تو جسم و جاں سے گزر گئی
مجھے راستوں کی خبر نہ تھی اڑی خاک میرے وجود کی
میں تلاش کرتی ہوئی تجھے ترے لا مکاں سے گزر گئی [۳۵]

لمبی بحروں میں کہے گئے اشعار خوبصورت لگنے کے ساتھ ساتھ کسی بھی بات کو واضح کرنے میں اہم ثابت ہوتے ہیں۔

شہناز مزمل لکھتی ہیں:

؎ نہ عیاں ہوا نہ نہاں ہوا ، ہوا امتحاں مرے جذب کا
مجھے مل سکا نہ کوئی نشاں میں کہاں کہاں سے گزر گئی [۳۶]

۱۲۔ چھوٹی بحروں کا استعمال:

چھوٹی بحر ایسے کلمات موزوں ہیں جن پر شاعری کا وزن ٹھیک کیا جاتا ہے۔

بحر کیا ہے؟ اس کے متعلق ڈاکٹر عنوان چشتی رقم طراز ہیں:

> ''اردو میں شعری آہنگ کی مخصوص اور متعین صورت کا نام بحر ہے۔ بحر کی بنیاد رکن پر ہے۔ رکن کے معنی ستون ہیں۔ جس طرح مکان کی بنیاد ستون پر ہوتی ہے ہر ایک رکن کا ایک مخصوص وزن ہے۔ عروضی اصطلاح میں دو کلموں کے حرکت و سکون کے مساوی ہونے کو وزن کہا جاتا ہے۔'' [۳۷]

شہناز کے شعری مجموعے ''موم کے سائبان'' میں چھوٹی بحروں کا استعمال جا بجا ملتا ہے۔ اس مجموعے میں تقریباً بہت سی نظمیں اور غزلیں ایسی ہیں جو انتہائی چھوٹی بحر میں کہی گئی ہیں۔

اور شہناز مزمل نے اکثر جگہوں پر اس قدر چھوٹی بحروں کا استعمال کیا ہے جو کسی دوسرے شاعر کے ہاں معدوم ہیں۔

چھوٹی بحروں کا استعمال ایک مشکل ترین فن ہے لیکن شہناز مزمل نے فنی چابکدستی کا ثبوت دیتے ہوئے چھوٹی بحریں استعمال کی ہیں۔انھوں نے مختلف خیالات کے اظہار کے لیے مختلف بحروں خاص کر چھوٹی بحروں کے انتخاب سے نغمگی پیدا کی ہے۔اس کے نتیجے میں اُن کے کلام میں دلکشی اور رعنائی پیدا ہوتی ہے۔

شہناز مزمل اپنی نظم ''مٹی'' میں لکھتی ہیں:

میں یہ مٹی کیسے ڈھالوں
کوزے ڈھالوں
بابت ڈھالوں
گھر میں لگواؤں
گور بناؤں
مٹی یہ بھی
مٹی میں بھی [۳۸]

شہناز مزمل نے اپنی کئی نظموں میں صرف ایک ایک یا دو لفظوں کی بحروں کا بھی استعمال کیا ہے جو خوبصورت اور دلکش تاثر پیش کرتا ہے۔جس طرح اُن کی نظم ''مٹی'' میں کچھ بحریں صرف تین لفظوں پر بھی مشتمل ہیں۔

موسیٰ کلیم نظامی ''شہناز مزمل کی شخصیت اور کلام پر ایک طائرانہ نظر'' میں لکھتے ہیں:

> ''شہناز کی چھوٹی بحروں میں غزلیں بھی لاجواب ہیں۔اُسے تھوڑے لفظوں کو شعر کے پیکر میں ڈھالنے کا فن بھی خوب آتا ہے۔چھوٹی اور مترنم بحروں میں میر کی طرح کم سے کم اور سادہ سادہ الفاظ میں جذباتی کیفیت کی عکاسی شہناز کے کلام کی اہم ترین خصوصیت ہے۔'' [۳۹]

اسی طرح اپنی نظم ''زرد موسم کے عذاب'' میں لکھتی ہیں:

سرخ ردا میں
لپٹا چہرہ
دھیرے دھیرے

بھیگ رہا ہو
بھیگی رت ہو
سرد ہوا ہو [۴۰]

چھوٹی بحروں کے استعمال نے ان کی شاعری کو مزید خوبصورت بنا دیا ہے۔

۱۳۔علامتوں کا استعمال:

علامت کے لیے انگریزی میں لفظ Symbol استعمال کیا جاتا ہے۔لغت میں اس کے معنی سراغ، کھوج، اشارہ کنایہ، چھاپ، مُہر، لیبل وغیرہ کے لیے جاتے ہیں۔علامت غیر واضح ہونے کے باوجود اپنے اندر گہری تاثیر رکھتی ہے اور اس سے دل و دماغ میں ایک ہیجان پیدا ہوتا ہے۔

علامت ایک ایسی چیز ہے جو کسی دوسری چیز کی نمائندگی کرتی ہے۔خاص طور پر ایک ایسی چیز جو مادی ہو اور غیر مادی چیز کی نمائندگی کرے۔جیسے کسی خیال یا تصور کی۔علامت کا شاعری سے رشتہ بہت پرانا ہے۔علامت کے بارے میں یہ تصور کیا جاتا ہے کہ یہ کوشش سے ایجاد نہیں کی جا سکتی بلکہ تمدنی ورثے سے وجود میں آتی ہے۔کسی لفظ کے ساتھ رفتہ رفتہ کچھ قدریں اور تصورات وابستہ ہو جاتے ہیں۔یہ تصورات علاقے، تہذیب، عقائد، معاشرت اور تاریخ وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔اور یہی تصورات لفظ کو علامتی قرار دیتے ہیں۔جو اُسے موقع و محل کے مطابق معنی کی نئی جہتوں سے روشناس کرواتے ہیں۔

گیان چند لکھتے ہیں:

> ''زبان اور الفاظ انسانی تجربات و احساسات کی تصویر کشی کے حریف نہیں ہو سکتے۔انسان کی نفسیاتی الجھنوں کا درک پیدا کرنے کے لیے شاعر علامتوں میں بات کرتا ہے۔جو بڑی بلیغ ہوتی ہیں۔جو اپنے اندر ایک جہانِ معنی رکھتی ہیں۔جو تخیل پر مہمیز کرتی ہیں۔''[۴۱]

شہناز مزمل کی شاعری میں بھی جگہ جگہ علامتوں کا استعمال نظر آتا ہے۔مٹی ڈاکٹر شہاز نے اپنی شاعری میں علامت کے طور پر استعمال کیا ہے۔وہ جانتی ہیں کہ علامت کا استعمال شعر کے حسن میں اضافہ کرتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ کم سے کم الفاظ میں انھیں قاری تک پہنچانے کے لیے خوبصورت علامات کا استعمال کرتی ہیں۔

علامتوں کے آبگینے میں یونس جاوید لکھتے ہیں:

''مجھے لگتا ہے کہ جیسے شہناز شاعری نہیں کرتیں نازک ترین آبگینوں میں مہک اُتارتی ہیں۔ یہ آبگینے علامتوں سے ابھرے ہیں۔ اور علامتیں یوں اُس کی شاعری کو سینچ رہی ہیں جیسے خود شاعر اپنے آپ کو شعر میں سمو کر توسیع ذات کر رہا ہو۔''۴۲

اُن کی نظمیں، لاحاصل کی سرزمیں، کڑی سزا، رتجگوں کی مسافت، بے کلی، برزخِ احساس، دائروں کے درمیان بنتا شہر، زرد موسم کے عذاب ان سب میں علامتیں استعمال ہوئی ہیں۔ انھوں نے کہیں برف کی علامت استعمال کی ہے تو کہیں بادلوں کو علامت کے طور پر لکھا ہے۔

شہناز مزمل (ابھی سورج کو جلنا ہے) میں لکھتی ہیں:

ابھی سورج کو جلنا ہے
ابھی رستوں کو چلنا ہے
ابھی اس جانفشاں نے
سب اندھیروں کے لیے برسوں
یہ گولا آگ کا یوں ہی بوقتِ صبح اگلنا ہے ۴۳

اس نظم میں ''سورج'' کو علامت کے طور پر استعمال کیا ہے۔

اپنی نظم (مٹی) میں لکھتی ہیں:

مٹی لے کر ہاتھ میں اپنے
کب سے بیٹھی سوچ رہی ہوں
میں بھی مورت مٹی کی ہوں
مجھ کو ڈھالا رب نے میرے ۴۴

اس نظم میں ''مٹی'' کو علامت کے طور پر لکھا ہے۔

۱۴۔ آزاد نظموں کا رجحان:

شہناز مزمل ن۔م راشد سے نظم کے حوالے سے متاثر تھیں اور اُن کی شاعری میں اُن کا مکمل رنگ نظر آتا ہے۔ بے شک شہناز مزمل کا ایک الگ اور منفرد اسلوب ہے جو اُن کو دوسرے شعراء سے منفرد اور ممتاز بناتا ہے مگر اس سے ہٹ کر ن۔م راشد کا

رنگ اُن کی آزاد نظموں میں نمایاں ہے۔

حسن عسکری کاظمی ''شہناز مزمل کا تخلیقی سفر اور موم کے سائبان'' میں لکھتے ہیں:

''وہ یقیناً آزاد نظم میں اپنی انفرادیت کا پرچم اٹھائے اور تخلیقی قوت سے کام لیتے ہوئے صفِ اول میں جگہ بنانے کی خاطر پُرعزم دکھائی دیتی ہیں۔'' ۴۵

اپنی نظم ''اجنبی سرزمیں'' میں لکھتی ہیں:

رہ گزر خاموش ہے
اور درختوں سے گرے پتے زمیں پر
بڑھتے قدموں کے تلے نوحہ کناں ہیں
سرد سرما کی یہ کہر آلود شب
اور ہوا کے دوش پر شہرِ جمال
کتنا پُر اسرار ہے ۴۶

شہناز مزمل نے زیادہ تر شاعری آزاد ہیئت میں کی ہے۔

۱۵۔ وسیع کینوس:

شہناز مزمل کی شاعری کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔ اُن کی شاعری کا کینوس اتنا وسیع ہے کہ زندگی کے ہر موضوع پر شہناز مزمل نے قلم اٹھایا ہے۔ اور ہر موضوع کو اپنی شاعری میں شامل کیا ہے۔ انھوں نے معاشرے کے مسائل سے لے کر ہر چھوٹے بڑے مسئلے پر غور و فکر کی ہے۔ اور تصوف اور روحانیت پر بھی حتیٰ کہ لکھا ہے۔ عورت پر بھی بہت زیادہ شاعری کی ہے۔ غرض کے کوئی بھی موضوع نہیں جو وقت اور حالات کی ضرورت تھی۔ انھوں نے سب موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔

عثمان صدیقی اپنے مضمون ''طویل مسافتوں کی شاعرہ'' میں لکھتے ہیں:

''شہناز کی غزل ایک محدود خیال اور ایک محدود اندازِ بیان کی غزلیں ہیں۔ اس کا پھیلاؤ اور تہہ در تہہ معانی کا عالم، اس کا مزاج ہے۔ اس کی غزل ہر قسم کی موضوعات، جذبات و خیالات اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے اور اسی مناسبت سے اس کی شعری جمالیات، تصویر کاری اور میجری

ہے۔''۴۷

۱۶۔زبان و بیان:

زبان و بیان، طرزِ تحریر اور اسلوب کو شاعری میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ ہر مصنف یا تخلیق کار کا اپنا طرزِ تحریر ہوتا ہے۔ اور یہی طرزِ تحریر یا اسلوب اس کا دستخط کہلاتا ہے۔ اسی سے ہی ہر تخلیق کار پہچانا جاتا ہے۔ اُس کی تخلیق میں دوسروں سے امتیاز اسی بنا پر کیا جاتا ہے۔

ابوالاعجاز حفیظ صدیقی اسلوب کی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اسلوب سے مراد کسی ادیب یا شاعر کا وہ طریقہ، ادائے مطلب یا خیالات و جذبات کا اظہار اور بیان کا وہ ڈھنگ ہے جو اُس خاص صنف کی اپنی انفرادیت کے شمول سے وجود میں آتا ہے۔ یوں کہ مصنف کی انفرادیت کی تشکیل میں اس کا علم، کردار، تجربہ، مشاہدہ افتادِ طبع عوامل مل جل کر حصہ لیتے ہیں۔ اس لیے اسلوب کو مصنف کی شخصیت کا پرتو اور اس کی ذات کا کلید سمجھا جاتا ہے۔''۴۸

ہر شاعر اپنے اندازِ تحریر سے لفظوں کو موتیوں کی طرح پرو کر دلکش انداز میں قارئین کے سامنے لاتا ہے اور ایسی تحریر سے شاعر پڑھنے والے کے دل پر اپنی بات کندہ کرتا ہے۔

شہناز مزمل بھی اپنے خاص اسلوب کی وجہ سے پہچانی جاتی ہیں۔ شعری مجموعے ''موم کے سائبان'' میں بھی اُن کا یہی اسلوب جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ انھوں نے سادہ اور سپاٹ زبان استعمال کی ہے۔ ان کے ہاں سادگی حد درجہ ہے۔

حسن عسکری کاظمی ''شہناز مزمل کا تخلیقی سفر اور موم کے سائبان'' میں لکھتے ہیں:

''ان کی شاعری تصنع سے پاک اعلیٰ انسانی رویوں کی آئینہ دار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آزاد نظم ہو یا غزل کا پیرایہ اظہار۔ اُن کا شعری اسلوب تہذیبی ڈھانچے میں ڈھلا ہوا اور خوبصورت نیلگوں آسمان کی طرح شفاف اور دُھلا ہوا دکھائی دیتا ہے۔''۴۹

انھوں نے زیادہ تر بناوٹ، ایہام اور ابہام کے پیرائے میں بات کرنے سے گریز کیا ہے۔ اُن کا سادہ لہجہ اِس قدر صاف ہے کہ پڑھنے والا اس سے متاثر ہوتا ہے اور اُن کی ہر بات کو سچ مان کر حرفِ آخر تسلیم کر لیتا ہے۔ شہناز مزمل نے اپنے جذبات و احساسات، قلبی واردات اور تصورات زندگی کو اپنے خاص اسلوب سے شعری پیکر میں ڈھالا ہے۔

اپنی نظم ''پچھتاوا'' میں لکھتی ہیں:

مجھ کو پانا تیری خواہش تھی مری خواہش نہ تھی
میں نے تو بس تیری خواہش کا کیا تھا احترام
آج کہتا ہے تعلق تجھ سے کچھ میرا نہیں
بات یہ تیری نہیں ہے یہ ترا چہرہ نہیں ۵۰

ایک جگہ شہناز مزمل لکھتی ہیں:

کرب تنہائی بتا تجھ کو چھپاؤں کیسے
لوٹ کر جانا بھی چاہوں تو میں جاؤں کیسے ۵۱

اپنی نظم (ریشم کی ڈور) میں لکھتی ہیں:

اک تعلق کے لیے کیا کیا جتن میں نے کیے
ہاتھ کچھ آیا نہیں اور کچھ بھی بن پایا نہیں ۵۲

۱۷۔ دلکش لہجہ اور جدت آمیزی:

دلکش لہجہ کسی بھی شاعری کو کامیاب بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ شہناز مزمل نے ''موم کے سائبان'' میں جو شاعری کی ہے اُس میں اُن کا لہجہ انتہائی دلکش ہے۔ مگر بعض مقامات پر تو خاص کر فضا کی تشکیل کرنے پر قادر ہو جاتی ہیں۔ اُس وقت تو لفظ اپنے ظاہری استعمال سے بڑھ کر مفہوم ادا کرتے ہیں۔

عثمان صدیقی اپنے مضمون ''طویل مسافتوں کی شاعرہ'' میں لکھتے ہیں:

''شہناز کی غزلیں بڑی پہلو دار ہیں۔ چنانچہ اُن کا اظہار و بیان بھی تہہ در تہہ معنی خیز و پہلو دار ہے۔'' ۵۳

ہر لفظ اپنے ظاہری استعمال سے بڑھ کر مفہوم ادا کرتے ہیں اور ہر لفظ ہی ایک سے زیادہ مفہوم رکھتا ہے۔ اور شہناز مزمل کے شعری مجموعے ''موم کے سائبان'' میں قاری شاعر کے تخیل کے ساتھ سفر کرتا اور کہیں بھی خود کو اجنبی تصور نہیں کرتا۔

''موم کے سائبان'' میں بھی ایسے اشعار کافی تعداد میں ہیں جو انسان کو پہلی ہی نظر میں متاثر کرتے ہیں اور پھر یہ تاثر

مزید گہرا ہوتا چلا جاتا ہے۔

شہناز مزمل لکھتی ہیں:

ذرا سی دیر مجھے بھی سکوں ملے شاید
وہ مجھ سے میرا پرانا حساب لے جائے
بھلا کے ترکِ تعلق وہ آئے اور شہناز
محبتوں کا ہر اک انتساب لے جائے ۵۴

بدلتی رت میں پریشاں کرے جو سناٹا
فضا میں کوئی پرندہ اڑا دیا کرنا
گماں یہ گزرے کہ سایہ بھی ساتھ چھوڑ گیا
ہوا کے ہاتھ یہ پیغام لکھ دیا کرنا ۵۵

شہناز مزمل جدید دور کی شاعرہ ہیں۔ انھوں نے جدید شاعری کی ہے۔ اُن کی شاعری میں کلاسکیت کا رنگ بے شک نظر آتا ہے مگر انھوں نے کلاسیکل شاعری کو جدیدیت سے ملا کر لکھا ہے کہ اس میں مقصد بھی رہے اصلاح بھی مگر کلاسیکل شاعری کی طرح اس میں بناوٹ یا تصنع نہ پایا جائے بلکہ سیدھے اور سادہ الفاظ میں اپنی بات کو لوگوں تک پہنچایا جائے جیسے عام اور خاص سبھی لوگ سمجھ سکے اور پڑھ سکے۔ انھوں نے ''موم کے سائبان'' میں مکمل مجموعے میں جو شاعری کی ہے اُس میں جدید شاعری کا رنگ جھلکتا ہے۔

موسیٰ کلیم نظامی ''شہناز مزمل کی شخصیت اور کلام پر ایک طائرانہ نظر'' میں لکھتے ہیں:

> ''اُن کے اظہار میں جان اور لہجہ میں دلکشی ہے۔ ان کی آواز کوئی صدائے صحرا نہیں بلکہ ایسی آواز ہے جو گنبدِ شاعری میں ہمیشہ اپنے منفرد انداز میں گونجتی رہے گی اور سامع کو اپنی طرف متوجہ کرتی رہے گی۔'' ۵۶

زیادہ تر ردیف قافیہ اور اوزان کی پابندی نہیں ملتی اور نہ ہی بالکل غالب اور میر کی شاعری کی طرح اوزان سے ہٹ کر

کوئی بحر نہ ہو۔

شہناز مزمل اپنی نظم ''لا حاصل کی سرزمین میں'' لکھتی ہیں:

کوچہ لا حاصلی میں
اونگھتی آنکھوں کے ساتھ
بند دُھنوں کے دریچے وا کیے
منتظر ہم کس کے ہیں
کیا کوئی اُترے گا پھر سے
جگنوؤں سے پوچھنے ۵۷

۱۸۔ترنم/نغمگی اور قافیہ پیمائی:

نغمگی:

نغمگی کے اردو معنی نغمہ پن اور موسیقیت کے ہیں۔نغمگی کسی بھی تحریر میں ایک سُر کی سی فضا پیدا کر دیتی ہے۔شہناز مزمل نے بھی اپنے شعری مجموعے ''موم کے سائبان'' میں اس طرح شاعری کی ہے۔اُن کی شاعری گنگناتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

موسیٰ کلیم نظامی ''شہناز مزمل کی شخصیت اور کلام پر ایک طائرانہ نظر'' میں لکھتے ہیں:

''اُن کے کلام میں غیر مانوس استعارے اور تشبیہیں کہیں نظر نہیں آتیں۔الفاظ و تراکیب میں روائتی کہنگی نہیں ہے بلکہ جدت آمیز نغمگی ہے۔'' ۵۸

ایک ہی لہر اور بہر میں پوری پوری نظمیں اور غزلیں بیان کر دی ہیں کہ اُن کو پڑھتے ہوئے ایک سُر کا سماں بندھ جاتا ہے۔

شہناز مزمل لکھتی ہیں:

؎ گردشِ دو جہاں میں رہتی ہوں
ہر گھڑی امتحاں میں رہتی ہوں
ساتھ ہے اک جہاں تخیل کا
لفظ بن کر زباں میں رہتی ہوں ۵۹

ایک جگہ لکھتی ہیں:

؎ ڈھونڈنے نکلی تھی میں درد کا درماں جاناں
راستہ پایا ہر اک شعلہ بداماں جاناں ۶۰

شہناز نے اپنے شعری مجموعے ''موم کے سائبان'' میں اکثر جگہوں پر قافیہ پیمائی بھی کی ہے۔ قافیہ سے مراد شعر کے آخر میں آنے والے ہم آواز الفاظ ہیں۔ اور اُن کے اس مجموعے میں بہت سی غزلوں اور نظموں میں قافیہ پیمائی کا انداز بھی ہمیں نظر آتا ہے۔

۱۹۔ شاعرانہ تعلی:

شاعرانہ تعلی بھی شاعر کے بات کرنے کا ایک انداز ہی ہوتا ہے۔ اُس سے مراد ہے کہ شاعر اپنی ذات اور شاعری کی خوبیوں کو بیان کرنے میں مبالغہ آرائی سے کام لیتا ہے۔

جب زمانہ شاعر کی ناقدری کرتا ہے تو وہ خود لوگوں کو اپنے بلند مقام سے آگاہ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور وہ خود اپنے کلام کی شان باتوں کے ذریعے اشعار میں بیان کرتا ہے۔ یہ شاعرانہ تعلی بیشتر شعراء کے ہاں ملتی ہے۔

موسیٰ کلیم نظامی ''شہناز مزمل کی شخصیت اور کلام پر ایک طائرانہ نظر'' میں لکھتے ہیں:

> یہ شاعرانہ تعلی نہیں بلکہ مسلمہ حقیقت ہے کہ شہناز مزمل صاحبہ کے دماغ میں خیالات کا ایک سمندر موجزن نظر آتا ہے۔ اور جب وہ موجیں طوفان کی شکل اختیار کر لیتی ہیں تو سمندر کی تہہ میں جو سیپ اپنے اندر موتی چھپائے ہوئے ہیں وہ ساحل پر آ کر بکھر جاتے ہیں۔ ۶۱

میر و غالب جیسے بلند شعراء کے ہاں بھی اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ ویسے تو شہناز مزمل بہت ہی منکر المزاج ہیں۔ عاجزی و انکساری اُن کی شخصیت کا حصہ ہے۔ لیکن یہ ایسا شاعرانہ وصف ہے جو ہر شاعر کے ہاں نظر آتا ہے۔ اِس سے کلام میں

حسن اور تاثیر پیدا ہوتی ہے۔ یہ حسنِ تعلیٰ صرف اُن کے شعری مجموعے ''موم کے سائبان'' کا ہی خاصہ نہیں بلکہ دوسرے مجموعہ کلام میں بھی خوبصورتی پیدا کرتی ہے۔

شہناز مزمل لکھتی ہیں:

؎ جب ابشارِ تصور خموش ہو شہناز
تو جھیل میں کوئی کنکر گرا دیا کرنا ۶۲

اس شعر میں اپنے آپ سے مخاطب ہو کر اپنی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے انھوں نے خود کلامی کے انداز میں کہا ہے کہ جب خاموش ہوا بشارِ تصور تو جھیل میں خود ہی کنکر گرا دیا کرنا۔

اسی طرح دوسرے شعر میں شہناز مزمل لکھتی ہیں:

؎ ان فصیلوں کو توڑ دے شہناز
کارواں وقت کا رُکا ہوگا ۶۳

اپنے نام کا استعمال کرتے ہوئے شہناز مزمل نے بہت سے اشعار میں شاعرانہ تعلی کا استعمال کیا ہے اور اپنی شاعری کو مزید خوبصورت بنا دیا ہے۔

۲۰۔ سہل ممتنع:

سہل کے لغوی معنی آسان کے ہیں جب کہ ممتنع کا مطلب ہے ممکن نہ ہونا، مشکل ہونا، اصطلاح میں اس سے مراد ایسا شعر جو دیکھنے میں بہت آسان ہو لیکن اُس جیسا شعر کہنا نہ ممکن ہو یا اتنا آسان شعر جس کی نثر نہ کی جا سکے۔ ایسا شعر بھی سہل ممتنع کا نمونہ ہوتا ہے۔ چھوٹی بحر اور سہل ممتنع میں کوئی بات کہنا بہت مشکل کام ہے۔

کلثوم برنی اپنے مضمون ''شہناز مزمل ایک مطالعہ'' میں لکھتی ہیں:

> ''غزل کی ایک بڑی خوبی سہل ممتنع کو کہا جاتا ہے۔ شہناز مزمل کی غزلیات میں اس کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں۔ سادگی اور حسن یہاں کی وہ صورت جو بظاہر آسان معلوم ہو۔ اس کا نبھانا مشکل ہو۔'' ۶۴

مگر شہناز مزمل کو اتنی گرفت حاصل ہے کہ وہ بڑی سے بڑی بات کو بھی سادگی، چھوٹی بحر اور سہل ممتنع میں اس طرح کہہ دیتی ہیں کہ اُن کو ماہرین فن تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اس خوبی کی حامل کئی نظمیں اور غزلیں اُن کے مجموعے ''موم کے سائبان'' میں شامل ہیں۔ سیّد عابد عابد البدیع میں لکھتے ہیں:

> ''حسرت کے خیال میں اس صنف کا نام ہے جس کو دیکھ کر ہر شخص بہ ظاہر یہ سمجھے کہ یہ بات میرے دل میں بھی تھی اور ایسا کہنا ہر شاعر کے لیے آسان ہے۔ مگر جب خود کوشش کرے ویسا لکھنا چاہے تو لکھ نہ سکے۔''۶۵

اپنی نظم ''سرد سناٹا'' میں لکھتی ہیں:

بہت ہی خامشی سے
کٹ رہے ہیں دن مرے جاناں
نہ کوئی سوچ میں ہلچل
نہ کوئی بات انہونی
رگ و پے میں اترتے سرد سناٹے نے
مجھ کو کر دیا جامد ۶۶

ایک جگہ لکھتی ہیں:

مری طرح سے کہیں خاک چھانتا ہوگا
وہ اپنی ذات کے صحرا میں کھو گیا ہوگا
پلٹ کے در پہ میرے بار بار آتا ہے
ہجومِ شوق نے محشر بپا کیا ہوگا ۶۷

شہناز مزمل نے نہایت سادہ اور آسان الفاظ میں شاعری کی ہے جو ہر شخص کو پڑھنے پر تقریباً سمجھ آسکتی ہے۔ انھوں نے مشکل الفاظ سے مکمل اجتناب کیا ہے اور دوسری زبانوں کے استعمال کی بھی بھرمار نہیں ہے۔

۲۱۔ تخیلاتی انداز:

تخیل انسانی ذہن کے پردے پر پیدا ہونے والا غیر حقیقی تصورِ تخیل کہلاتا ہے۔جس کا حقیقت سے کوئی دور تک تعلق نہیں ہوتا۔وہ صرف اور صرف انسانی ذہن کی تخلیق کردہ کہانی ہوتی ہے۔جس میں مافوق الفطرت عناصر پائے جاتے ہیں۔شاعر زیادہ تر تخیلاتی دنیا میں رہتے ہیں اور تخیل پر مبنی شاعری کرتے ہیں۔

حسن عسکری کاظمی ''شہناز مزمل کا تخلیقی سفر اور موم کے سائبان'' میں لکھتے ہیں:

> ''شہناز مزمل کے تخیل کے وسیع کینوس پر بھیگی شامیں، اُڑتے بادل، سوندھی خوشبو، جیون ساگر، مسافت کی ردا، نیم خوابیدہ، صداؤں سے چھلکتے الفاظ، دریدہ ہاتھ، شبِ تاریک میں سویا ہوا چاند نظر آتا ہے اور کہیں تتلیاں جھیل، سمندر اور کوہسار آنکھ کی پتلی میں اُتر آتے ہیں۔ان سب کو دیکھ کر یوں لگتا ہے کہ وہ شعر کہنے کی بجائے کسی نادیدہ منظر کی تصویر پردہ تصویر اتارنے کے لیے قلم کو رنگوں میں ڈبو دینا چاہتی ہیں۔'' ۶۸

اسی طرح شہناز مزمل کی شاعری میں بھی تخیل کی فضا بہت زیادہ ملتی ہے۔شہناز مزمل کے تخیل کے وسیع کینوس پر بھیگی شامیں، اڑتے بادل، سوندھی خوشبو، جیون ساگر، مسافت کی ردا، نیم خوابیدہ صداؤں سے چھلکتے الفاظ، دریدہ ہاتھ، دُھند میں لپٹی فضائیں اور شب تاریک میں سویا ہوا چاند نظر آتا ہے اور کہیں تتلیاں، جھیل، سمندر اور کوہسار آنکھ کی پُتلی میں اُتر آتے ہیں۔اُن سب کو دیکھ کر یوں لگتا ہے کہ وہ شعر کہنے کی بجائے کسی نادیدہ نظر کی تصویر پردہ تصویر پر اُتارنے کے لیے قلم کو رنگوں میں ڈبو دینا چاہتی ہے۔اُن کی بے قرار اور مغلوب روح میں کلبلاتی خواہشوں کی پرچھائیاں بھی ایک دوسرے سے جُدا اور کبھی ایک دوسرے میں آزادی کے رنگین تانے بانوں کی طرح یکجان ہو جاتی ہیں۔

شہناز مزمل لکھتی ہیں:

جی چاہتا ہے خود پہ مجھے اختیار ہو
جی چاہتا ہے دور تلک ہو حسین شام
بادل سا ہو وجود مرا آسمان پر
میں بھی ہوا کے دوش پہ ہر سو اڑا کروں ۶۹

شہناز مزمل بھی ایک تخیلاتی شاعرہ ہیں۔انھوں نے اپنی نظم ''مٹی'' میں اِس خیال کو سامنے رکھا ہے کہ انسان مٹی سے بنا ہے اور آخر کار مٹی میں مٹی ہو جانا ہے۔انھوں نے مٹی کو نئی اشکال میں پیش کیا ہے کہ مٹی کی ایک مورت ہے۔انسان مٹی کو کوزوں اور بتوں میں ڈھالتا ہے اور پھر آخر مٹی ہی اُس کی قبر بنتی ہے۔

شہناز مزمل لکھتی ہیں:

میں یہ مٹی کیسے ڈھالوں
کوزے ڈھالوں
بابت ڈھالوں
گھر میں لگواؤں
گور بناؤں ۷۰

پوری نظم میں انھوں نے ایک تخیلاتی فضا قائم کر دی ہے۔اسی طرح اپنی نظم ''زرد موسم کے عذاب'' میں لکھتی ہیں:

شام نگر ہو
اور یہ سورج
جھیل کنارے ڈوب رہا ہو
سرخ ردا میں
لپٹا چہرہ
دھیرے دھیرے
بھیگ رہا ہو
سرد ہوا ہو ۷۱

۲۲۔دعائیہ انداز:

شہناز مزمل کی شاعری میں دعائیہ انداز بھی ملتا ہے۔وہ رب العزت سے عاجزانہ انداز میں دُعا کرتی ہیں۔

شہناز مزمل نے مذہبی موضوعات پر تو لکھا ہی ہے مگر اُن کے پورے کلام میں جگہ جگہ ''موم کے سائبان'' کی نظموں میں

اورغزلوں میں عاجزی الفاظ میں نظر آتی ہے۔

شہناز مزمل اللہ تعالیٰ سے یہی دُعا کرتی نظر آتیں ہیں۔

کہ یہ دُکھتا بدن
اُکھڑتی سانس کہتی ہے
کوئی خواب حسیں ہی بھیک میں مجھ کو کبھی دے دے
وگرنہ اے خدا یہ زندگی لے لے ۲؎

شہناز مزمل نے ویسے تو تصوف اور مذہبی موضوعات پر بہت زیادہ لکھا ہے مگر اس کے ساتھ اُن کی نظموں اور غزلوں میں اُن کے شعری مجموعے ''موم کے سائبان'' میں اُن کی شاعری میں جگہ جگہ دعائیہ انداز ملتا ہے۔

منتہائے عشق میں ڈاکٹر شبانہ لکھتی ہیں:

''شہناز مزمل ہمارے عہد کی منفرد آواز ہے۔ان کا اوڑھنا بچھونا علم وادب اور ترسیل فکر ان کا عظیم مقصدِ حیات ہے۔''۳؎

جس میں وہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتی ہیں اور اپنی ہر چھوٹی سے بڑی خواہش اور مسائل کی التجا وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے کرتی نظر آتی ہیں۔

شہناز مزمل لکھتی ہیں:

؎ ہر اک دُعا کو مری آج معتبر کر دے
تو رہگزر پہ مری سایۂ شجر کر دے
؎ میں تھک گئی ہوں قدم میرے اب نہیں اُٹھتے
مری طویل مسافت کو مختصر کر دے ۴؎

۲۳۔استفہامیہ انداز/لہجہ:

ہر شاعر کا مخصوص لہجہ ہوتا ہے۔جس میں وہ بات کرتا ہے۔اس سے کلام میں سوالیہ عنصر اور حسرت واستعجاب پیدا ہوتا ہے۔ بہت سے شاعر اور شاعرات حیرت واستعجاب کو شاعرانہ انداز میں پیش کر کے شاعری کو خوبصورت بناتے ہیں اور بعض

اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ شعر میں ہی سوال کا جواب پوشیدہ ہوتا ہے۔اس سے شاعر کی ذہنی اور فنی پختگی کا اندازہ ہوتا ہے۔اور یہ استفہام واستعجاب قاری کی دلچسپی میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔

شہناز مزمل کے شعری مجموعے ''موم کے سائبان'' میں بھی استفہامیہ انداز بہت زیادہ ملتا ہے۔کبھی وہ خود سے سوال کرتی ہے اور کبھی قاری سے سوال کرتی نظر آتی ہیں اور کہیں وہ اپنے آپ سے سوال کرتیں ہیں تو اسے ظاہر کرتی ہیں کہ انھیں کسی بات کا پتہ نہیں جیسے وہ قاری سے اُن سے سوالات کے جوابات کی توقع کرتی ہیں۔

اپنی نظم ''سوال'' میں لکھتی ہیں:

ہمیں جانا کہاں ہے؟
کون جانے کون سے رستے پہ چلنا ہے
کہ ہر رستہ
تو اپنی راہ بدل لیتا ہے سنگِ میل سے پہلے
پوچھتی ہوں؟
ذرا تم ہی بتا دو؟
دریدہ ہاتھ، چھالے پاؤں کے کہتے ہیں کیا جاناں
کہیں منزل سے آگے تو نہیں ہم نکل آئے ۵ے

شہناز مزمل کہیں خود سے سوال کرتی نظر آتی ہیں تو کہیں قارئین سے سوال کرتی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ عابد علی عابد، سید۔ البیان۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء۔ ص ۸۸

۲۔ شہناز مزمل، ڈاکٹر۔ موم کے سائبان۔ لاہور: پاک بک ایمپائر، ۱۹۹۴ء۔ ص ۱۲۰

۳۔ ایضاً۔ ص ۱۲۱

۴۔ زومرہ منان۔ ظفر اقبال کے شعری مجموعے تشویش کا فنی و فکری جائزہ۔ مقالہ برائے ایم فل مملوکہ لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی لاہور: ۲۰۲۱ء۔ ص ۵۲

۵۔ نعمان فاروق۔ عکسِ خیال۔ لاہور: پہچان پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء۔ ص ۵۲

۶۔ شہناز مزمل، ڈاکٹر۔ موم کے سائبان۔ ص ۲۰۱

۷۔ ایضاً۔ ص ۱۸۶

۸۔ ایضاً۔ ص ۱۳۶

۹۔ ایضاً۔ ص ۶۳

۱۰۔ ایضاً۔ ص ۶۳

۱۱۔ ایضاً۔ ص ۶۳

۱۲۔ ایضاً۔ ص ۱۲۶

۱۳۔ ایضاً۔ ص ۱۲۶

۱۴۔ ایضاً۔ ص ۱۲۷

۱۵۔ ایضاً۔ ص ۱۵

۱۶۔ عابد علی عابد، سید۔ البدیع۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء۔ ص ۱۲۲

۱۷۔ شہناز مزمل، ڈاکٹر۔ موم کے سائبان۔ ص ۱۸۴

۱۸۔ ایضاً۔ص۱۳۰

۱۹۔ ایضاً۔ص۱۴۲

۲۰۔ ایضاً۔ص۱۲۱

۲۱۔ ایضاً۔ص۱۲۱

۲۲۔ http:/www.lafzuna.com

۲۳۔ زومرہ منان۔ظفر اقبال کے شعری مجموعے تشویش کا فنی وفکری جائزہ۔مقالہ برائے ایم فل مملوکہ لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی لاہور:۲۰۲۱ء۔ص۳۴

۲۴۔ شہناز مزمل، ڈاکٹر۔موم کے سائبان۔ص۳۲

۲۵۔ ایضاً۔ص۳۰

۲۶۔ ایضاً۔ص۳۰

۲۷۔ ایضاً۔ص۸۲

۲۸۔ ایضاً۔ص۸۶

۲۹۔ humsub.com

۳۰۔ شہناز مزمل، ڈاکٹر۔موم کے سائبان۔ص۱۴۸

۳۱۔ ایضاً۔ص۱۳۳

۳۲۔ ایضاً۔ص۶۵

۳۳۔ ایضاً۔ص۶۰

۳۴۔ ایضاً۔ص۱۲۱

۳۵۔ ایضاً۔ص۱۲۵

۳۶۔ ایضاً۔ص۱۲۶

۳۷۔ زومرہ منان۔ظفر اقبال کے شعری مجموعیی تشویش کا فنی وفکری جائزہ۔مقالہ برائے ایم فل مملوکہ لاہور کالج برائے

خواتین یونیورسٹی لاہور:۲۰۲۱ء۔ص۳۳۹

۳۸۔ شہناز مزل، ڈاکٹر۔موم کے سائبان۔ص۴۲

۳۹۔ نعمانہ فاروق۔عکسِ خیال۔ص۱۵

۴۰۔ شہناز مزل، ڈاکٹر۔موم کے سائبان۔ص۵۰

۴۱۔ زومرہ منان۔ظفر اقبال کے شعری مجموعی تشویش کا فنی وفکری جائزہ۔مقالہ برائے ایم فل مملوکہ لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی لاہور:۲۰۲۱ء۔ص۱۹۸

۴۲۔ نعمانہ فاروق۔عکسِ خیال۔ص۱۷

۴۳۔ شہناز مزل، ڈاکٹر۔موم کے سائبان۔ص۳۱

۴۴۔ ایضاً۔ص۴۲

۴۵۔ نعمانہ فاروق۔عکسِ خیال۔ص۵

۴۶۔ شہناز مزل، ڈاکٹر۔موم کے سائبان۔ص۶۵

۴۷۔ نعمانہ فاروق۔عکسِ خیال۔ص۱۴۲

۴۸۔ زومرہ منان۔ظفر اقبال کے شعری مجموعی تشویش کا فنی وفکری جائزہ۔مقالہ برائے ایم فل مملوکہ لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی لاہور:۲۰۲۱ء۔ص۱۷۷

۴۹۔ نعمانہ فاروق۔عکسِ خیال۔ص۲۲

۵۰۔ شہناز مزل، ڈاکٹر۔موم کے سائبان۔ص۱۱۶

۵۱۔ ایضاً۔ص۱۳۲

۵۲۔ ایضاً۔ص۱۰۸

۵۳۔ نعمانہ فاروق۔عکسِ خیال۔ص۶۶

۵۴۔ شہناز مزل، ڈاکٹر۔موم کے سائبان۔ص۱۵۱

۵۵۔ ایضاً۔ص۱۴۲

۵۶۔ نعمانہ فاروق۔عکسِ خیال۔ص۴۴

۵۷۔ شہناز مزل، ڈاکٹر۔موم کے سائبان۔ص۳۹

۵۸۔ نعمانہ فاروق۔عکسِ خیال۔ص۴۴

۵۹۔ شہناز مزل، ڈاکٹر۔موم کے سائبان۔ص۱۵۹

۶۰۔ ایضاً۔ص۱۶۱

۶۱۔ نعمانہ فاروق۔عکسِ خیال۔ص۴۳

۶۲۔ شہناز مزل، ڈاکٹر۔موم کے سائبان۔ص۱۴۳

۶۳۔ ایضاً۔ص۱۴۵

۶۴۔ نعمانہ فاروق۔عکسِ خیال۔ص۳۳

۶۵۔ عابد علی عابد، سیّد۔البدیع۔لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء۔ص۱۷۴

۶۶۔ شہناز مزل، ڈاکٹر۔موم کے سائبان۔ص۵۵

۶۷۔ ایضاً۔ص۱۷۹

۶۸۔ نعمانہ فاروق۔عکسِ خیال۔ص۱۳۹

۶۹۔ شہناز مزل، ڈاکٹر۔موم کے سائبان۔ص۶۸

۷۰۔ ایضاً۔ص۴۲

۷۱۔ ایضاً۔ص۵۵

۷۲۔ ایضاً۔ص۴۰

۷۳۔ شہناز مزمل، ڈاکٹر۔منتہائے عشق۔ملتان: شیر ربانی پریس، ۲۰۱۹ء۔ص۱۱

۷۴۔ شہناز مزل، ڈاکٹر۔موم کے سائبان۔ص۱۹۲

۷۵۔ ایضاً۔ص۸۰

محاکمہ

محاکمہ

میرے مقالے کا عنوان شہناز مزمل کے شعری مجموعے ''موم کے سائبان'' کا فنی اور فکری جائزہ ہے۔شہناز مزمل بیک وقت شاعرہ،ادب سرائے انٹرنیشنل کی تنظیم کی چیئر پرسن اور گورنمنٹ ماڈل ٹاؤن لائبریری لاہور کی انچارج ہیں۔

مقالے کے پہلے باب میں شہناز کا سوانحی خاکہ اور شخصیت کو بیان کیا گیا ہے۔شہناز مزمل ۱۰۔اپریل ۱۹۴۸ء کو فیصل آباد میں پیدا ہوئیں۔خوبصورت شخصیت کی مالک ہیں۔

باب ''دوم'' میں ''موم کے سائبان'' کا موضوعاتی مطالعہ کیا گیا ہے۔''موم کے سائبان'' میں انھوں نے معاشرتی، سیاسی، روحانی مسائل اور تصوف، حسن و عشق کے معاملات، وطن پرستی، ماضی پرستی، دنیا کی بے ثباتی، خودی کا درس، مقصدیت، انسانوں کے مختلف روپ اور تاریخی واقعات اور زندگی کے تمام مسائل کا عمیق النظری سے مطالعہ کیا ہے۔

شہناز مزمل کا یہ شعری مجموعہ فائن بکس پرنٹر پاکستان بک ایمپائر سے شائع ہوا۔ان کا شعری مجموعہ ''موم کے سائبان'' ۵۳ نظموں اور ۴۳ غزلوں پر مشتمل ہے۔شہناز مزمل کی شاعری میں روایت اور جدت کا ملاپ ہے۔انھوں نے انسانی فطرت کے مختلف رنگوں کو اپنی شاعری کا حصہ بنایا ہے۔ان کے شعری مجموعے کو پڑھتے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ ان کا شعر گوئی کا انداز اور لب و لہجہ نسوانی ہے۔ان کے ہاں زبان و بیان کی نرمی اور ملائمت ملتی ہے جو کہ ایک عورت کی شناخت ہے۔شہناز مزمل کا موضوعاتی کینوس وسیع ہے۔انھوں نے معاشرے کی حقیقی اور سچی تصویریں پیش کی ہیں۔

''موم کے سائبان'' میں وہ زندگی کے تلخ حقائق کے متعلق سوال اٹھاتی ہیں اور قارئین کو سوچنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔وہ اپنی شاعری کے ذریعے سماج کی ذہنی تربیت کرتی ہیں۔

تلاش اور جستجو ہمیشہ سے انسان کی فطرت رہا ہے اور تجسس ہی ہے جس کے تحت انسان چاند تک گیا۔یہی جذبہ اور غور و فکر کی عادت ہے جو انسان کا تخیل اسے مزید نئی چیزیں تلاش کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔تلاش اور جستجو ان کی شاعری کا خاصا ہے۔

باب سوم میں ''موم کے سائبان'' کا فنی جائزہ لیا گیا ہے۔ان کے اسلوب کی خصوصیات میں طویل بحروں کا استعمال

دعائیہ انداز، صنعتِ تضاد، منظر نگاری، سہلِ ممتنع استفہامیہ انداز، علامتوں کا استعمال، استعارات اور تلمیحات کا استعمال، قافیہ پیمائی اور طنزیہ انداز شامل ہے۔

شہناز مزمل اسلوبِ بیان کے حوالے سے بھی شہناز مزمل ایک منفرد شاعرہ ہیں۔ انھوں نے عام فہم اور سارہ اسلوب کو بیان کیا ہے۔ انھوں نے ایسا انداز اپنایا ہے جو ان کو دوسرے ہم عصر شعرا سے مختلف اور ممتاز بناتا ہے۔ انھوں نے اپنے شعری مجموعے ''موم کے سائبان'' میں علامتی انداز میں شاعری کی ہے۔ انھوں نے اپنی نظموں میں مٹی، چاند، سورج اور دھند جیسی علامات کا استعمال کیا ہے۔

شہناز مزمل ایسی تخلیق کار ہیں جو روایت اور جدت کے سنگم پر خود کلامی کے انداز میں آگے بڑھنے کی تگ و دو کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

صنعتِ تمثال اور لفظی تصویر کشی بھی ''موم کے سائبان'' میں ملتی ہیں۔ تمثال نگاری کے استعمال سے انھوں نے بے جان چیزوں کی تصویر کشی کی ہے۔ ''موم کے سائبان'' میں سادہ اور آسان زبان کا استعمال ملتا ہے۔

ان کے ہاں تخیلاتی انداز اور دعائیہ انداز بھی ملتا ہے۔ منظر نگاری کا استعمال بھی ''موم کے سائبان'' میں جگہ جگہ ملتا ہے۔ شہناز مزمل لفظوں کے ذریعے ایسی تصویر کھینچی ہیں کہ یوں لگتا ہے کہ پورا منظر آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا ہے۔ شہناز مزمل کی نظموں میں ''موم کے سائبان'' میں تمثالوں میں بھی اور دوسرے موضوعات میں بھی فطرت کی عکاسی بہت زیادہ ملتی ہے۔ انھوں نے فطری استعاروں کا استعمال اپنے اس شعری مجموعے میں بہت زیادہ کیا ہے۔

ان کے ہاں بناوٹ، ایہام اور تصنع سے گریز ملتا ہے۔ ان کی نظموں میں تکرار بھی ملتی ہے۔

شہناز مزمل اپنے مجموعے میں تشبیہات کا بھی صحیح سلیقے سے استعمال کیا ہے۔ اُن کی تشبیہات جاندار، معنی خیز اور برمحل استعمال ہوئی ہیں۔ انھوں نے اپنے شعری مجموعے ''موم کے سائبان'' میں ملی و اخلاقی نظموں کے ساتھ ساتھ رومانی اور مناظرِ فطرت پر مبنی منظومات بھی تخلیق کی ہیں۔ انھوں نے فطرت کے حسن اور دل آویز مناظر کو بڑی فن کارانہ مہارت کے ساتھ غزلوں اور نظموں میں پیش کیا ہے۔

شہناز مزمل نے اپنے شعری مجموعے ''موم کے سائبان'' میں فطرت کے حسین نظاروں کو ان کی تمام تر جزئیات سمیت

ایسے دل کش اور خوب صورت پیرایے میں پیش کیا ہے کہ ان مناظر کا حسن دو چند ہو جاتا ہے۔

شہناز مزمل کے شعری مجموعے ''موم کے سائبان'' میں ایک اور اہم پہلو ان کی غزل گوئی ہے۔ شہناز مزمل کی غزلوں میں ماضی کی خوب صورت اور باوقار روایات بھی موجود ہیں۔ ان کی غزلوں میں معاملاتِ حسن و عشق اور وصل و فراق کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کے سماجی، معاشی، تہذیبی اور فکری رویوں پر قلم اٹھایا گیا ہے۔ شہناز مزمل کے شعری مجموعے ''موم کے سائبان'' میں غمِ جاناں بھی ہے اور غمِ دوراں بھی۔ شہناز مزمل نے اپنی غزلوں میں انسانی نفسیات کا ماہرانہ تجزیہ بھی پیش کیا ہے۔ شہناز مزمل مختصر اور طویل بحروں میں یکساں فن کارانہ مہارت کے ساتھ طبع آزمائی کی ہے۔ ان کے اسلوب میں ایک خاص طرح کی دل کشی، شگفتگی اور جاذبیت ملتی ہے۔

کتابیات

کتابیات

اقبال محمد۔شذرات فکرِ اقبال۔ڈاکٹر جاوید اقبال۔مرتب۔لاہور:مجلس ترقی ادب،۱۹۸۳ء

شہناز مزمل،ڈاکٹر۔جرأتِ اظہار۔لاہور: بک سروس شادامان،۱۹۹۰ء

// جادۂ عرفان۔لاہور:پاک بک ایمپائر،۱۹۹۷ء

// موم کے سائبان۔لاہور:پاک بک ایمپائر،۱۹۹۸ء

// منتہائے عشق۔ملتان:شیر ربانی پریس،۲۰۱۹ء

// فدائے عشق۔ملتان:شیر ربانی پریس،۲۰۲۰ء

عابد علی عابد،سید۔البدیع۔لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۱ء

// البیان۔لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۳ء

نعمانہ فاروق۔عکسِ خیال۔لاہور:پہچان پبلی کیشنز،۱۹۹۵ء

لغات:

سعیدا ے شیخ۔جامع اردو لغت۔نئی دہلی:اسلامک بک سروس،۲۰۰۷ء

انٹرویو:

ڈاکٹر شہناز مزمل سے راقمہ کا انٹرویو،۲۱۔اپریل ۲۰۲۱ء،بروز بدھ

ٹیلی فونک انٹرویو:

شہناز مزمل،ڈاکٹر۔بتاریخ ۲۵۔اپریل ۲۰۲۱ء بروز اتوار

ایضاً۔بتاریخ ۲۳ مئی،بروز اتوار

مقالہ جات:

حنا نعمان۔شہناز مزمل کی اردو غزل اور نظم کا فکری و فنی مطالعہ۔مقالہ برائے ایم فل اردو۔مملوکہ منہاج یونیورسٹی۔

لاہور،۲۰۱۴ء

زومرہ منان۔ظفر اقبال کے شعری مجموعے ''تشویش'' کا فنی وفکری جائزہ۔مقالہ برائے ایم فل اردو۔مملوکہ لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی۔لاہور،۲۰۲۱ء

مقدس ستار۔شہناز مزمل کی شاعری کے دینی عناصر۔مقالہ برائے ایم اے اردو۔مملوکہ اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور،۲۰۱۵ء

Websites:

www.adabsaraae.com

www.waqar.pk.com